

**TEXT PROBLEM
WITHIN THE
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222026

UNIVERSAL
LIBRARY

۲۲۱۲۶

بہترین ہنگامی ناولوں کے تراجم کا سلسلہ

دیہاتی سماج

بھگل کے عظیم المرتبت ادیب شمرت چن چیرجی کے ناول پہلی سماج کا اردو ترجمہ
از قلم

حضرت یزدانی جالندھری

سجل پکٹ

میسرز نرائش دت بھگل اینڈ سنز انڈرون لوماریڈروانہ لاہور

پبلشرز

عبدالرحمن، عنایت اللہ تاجران کتب ہال بازار

امرت سمر

جلد حق یکتا تراش دت ہنگل اینڈ ستر محفوظ ہیں

لا مارٹ پرین سنٹو کہ سراسر تیریں باہتمام رام ناتھ پرنسٹریا

ہندوستان کی چھتیس کروڑ دیہاتی آبادی
کے نامہ

پڑواہی

پیرایہ آغاز

شہرت چاند کا نام اب اردو ادب کے لئے نیا نہیں رہا۔ ان کے بعض ناول اردو میں منتقل ہو کر ہمارے دلوں پر شہرت بالو کا سنگ بٹھا چکے ہیں۔ بنگال کے ادیب ایس بیٹن نام ایک ساتھ لئے جاتے ہیں۔ بنگلہ اور شہرت! لیکن میری رائے میں انسانی جذبات کی صحیح ترجمانی اور کردار نگاری میں جو درجہ شہرت کو حاصل ہے وہ بنگلہ بالو یا بنگلہ کو حاصل نہیں۔

شہرت بالو سے پہلے کابنگالی ادب آزاد اور مؤثر نہ تھا۔ بنگلہ بالو نے دھرم اور اصول کو ہمیشہ بلند مقام دیا۔ انہوں نے ہر جگہ یہ ثابت کیا کہ برائی پر نیکی کی فتح ہوتی ہے۔ بنگال کے متوسط طبقہ نے اس قسم کے ناول کو بے حد پسند کیا۔ ان میں سماجی ہندوؤں کو توڑنا نقصان دہ ثابت کیا گیا تھا۔

لیکن غربت و افلاس کے آسویہ دنیا تک لوگوں کی نگاہ سے چھپے نہیں رہتے۔ انہیں بھی دیکھا کہ ایسی کہانی سنانے کا موقع مل ہی جاتا ہے چنانچہ شہرت کے قلم نے غریب و مفلوک الحال پسماندہ طبقہ کے علم و اقام کو مصور کیا۔ انہوں نے سماج کے دونوں متوسط اور پسماندہ طبقہ کے لوگوں کی زندگی میں قدم رکھ کر ان کے فرق و امتیاز کو واضح کیا۔

شہرت نے سبیل غیر جانبداری سے انسان کی تقویہ کشی کی ہے۔ ایک عظیم فن کار کدوچ اور احساسات کے بارے میں سچائی کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔ شہرت نے انسانی فطرت پر زیادہ زور دے کر اس کی کمزوریوں کی طرف محض اشارات ہی کئے ہیں۔ ہندوستان میں صرف ایک ناول نگار سے شہرت بالو کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ

جسے منشی پریم چند اگرچہ شہرت کا میدان اتنا وسیع نہ تھا۔ جتنا منشی پریم چند کا اکینہ نگہ گوشت کی طرح شہرت بھی گھومتے باہر نہیں جاتے۔ ملک کے سیاسی اضطراب کا ان کے دل پر کوئی اثر نہیں پڑا لیکن اپنے چھوٹے ہی میدان میں انہوں نے ہندوستانی خصوصاً پنجابی سماج کی پوری پوری ترجمانی اور عکاسی کی ہے، انہوں نے پسماندہ طبقہ کو آگے بڑھایا ہے اور عیشیہ ثابت کیا ہے۔ کہ شہریوں کے مقابلے میں دیہاتی زیادہ حق پرست ہوتے ہیں۔

ناول "پلی سماج" (دیہاتی سماج) میں تو شہرت بالو اپنے پورے عروج پر ہیں۔ اس ناول میں انہوں نے دیہاتی زندگی کا نہایت دلہندہ رنگ پیش کیا ہے۔ ان سیدھے سادے لوگوں کے اندر یہ عقائد اور چالالت کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی ہے۔ ایک ہی خدا کی مخلوق ہونا اور ایک ہی خدا بخشی ہوئی نظریاتوں کے حق دار ہونا بھی انسان انسان میں کتنا فرق ہے، کتنا امتیاز ہے! کہاں ہیں ان کے لئے مجبورہ سائنس کے پیدا کئے ہوئے سائنس و راحت کے سامان؟ مینا میں پیدا ہو کر اور سچی بھرتی، نسو بہا کر کے جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جاتے ہیں یہ ہے ان کی زندگی!

"دیہاتی سماج" میں رئیس ایک بڑا بڑا تارکے تار سے محبت کرتا ہے۔ مہندر سماج کی نگاہ میں یہ پاپ ہے لیکن شہرت بالو زراٹے عام کو مٹا کر اندھے سماج کی آنکھیں کھول دیتے تھے۔ یہ کتاب پڑھ کر سینکڑوں لوگوں کا دل کھیل گیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: شہرت واقعی جیسا کہ کہتے ہیں: "مہیا ہے اور دودھ دان طبقہ شہرت بالو کے اس بہترین ناول کی قررواقعی تذر کرے گا۔"

میں مسٹر بلن مہنگل پر پراسر میرز نرائن دت مہنگل اینڈ سز کامنڈن مہل کہ انہوں نے شہرت کے اس ناول کی اشاعت کا ذمہ لیکر لیا ہے اس شامکار ادب کو پیش کرنے کا موقع دیا۔ کاغذ کی اس بہت تنگ و چھوٹے فرساکوئی کے زلمے میں ان کا یہ اظہام ایک قابلِ تامل اور ادبی اشارہ ہے۔ جس کے لئے وہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمام ادب و ادب حضرات کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

یزدانی جالندھری

لاہور اجڑی سسٹم

(۱)

دینی گھوشتال نے جیسے ہی تیرہ کے مکان کے صحن میں تیرہ رکھا، سامنے سے لیکر
 ادھیڑ عمر عورت آتی دکھائی دی انہوں نے کہا: ”یہ تو موسیٰ ہیں اور کہاں ہے؟“
 موسیٰ اس وقت پوچھا کہ رہی تھیں، انہوں نے رسوئی گھر کی طرف اشارہ کر دیا یعنی نے
 رسوئی گھر کے دروازے پر ہنچ کر کہا: ”کیوں رہا ہٹنے کچھ فیصلہ کیا کہ کیا کرو گی؟“
 جلتے ہوئے چوٹے پر سے بڑبڑاتی ہوئی لڑائی مٹا کر زمین پر رکھتے ہوئے رات سے
 اٹھا کر دیکھا اور پوچھا۔

”بٹ بھٹیا کس بار... میں؟“

دینی نے کہا: ”ہن ادھی تارنی چچا کے شرادہ کے ہارسے میں۔ ریش تو کل بہاں
 آپنچا۔ معلوم ہونکے۔ رو اپنے بابا کا شرادہ خوب دھوم دھام سے کریگا۔ تم باؤگ
 یا نہیں؟“

زمانے حیرت سے اٹھیں پھاڑ کر کہا: ”میں جاؤنگی؟ — تارنی گھوشتال
 کے گھر؟“

دینی نے شرمندہ سا ہنر کر کہا: ”ہاں بہن! یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ — اور خواہ

چوہو، لیکن تم لوگ وہاں کسی طرح نہ جاؤ گی۔ لیکن سنا ہے کہ وہ خود سب لوگوں کے پیار
جاگرایا، عمو کے گاہک بخت عقل میں تو اپنے باپ پر ہی گیا ہے اگر وہ ہتھکے بھی آیا تو غم
کیا کہو گی؟

رمانے بگڑ کر جواب دیا: میں کیا کہوں گی! دروازے پر دربان ہی اسے جواب دے
وے گا۔

پوچھا میں مصروف موسیٰ کے کالوں میں جیب گروہ بندی کی یہ باتیں پہنچیں تو وہ
پوچھا پانچ چھوڑ کر وہاں آ پہنچیں۔ ابھی ان کی بھانجی کی بات ختم بھی ہوئی تھی کہ وہ
گرم گرم دھان کی کھیل کی طرح چٹک کر لوہیں یہ دہان کیوں کہنے لگا میں کیا کہنا
ہیں جانتی! اس بد معاش کو تو میں ایسی کھری کھری سناؤں گی۔ کہ پھر کبھی اس گھر
میں قدم نہ رکھے گا۔ تارنی گھوٹال کا اڑھا دعوت دینے آئے گا؛ — ہمارے
گھر، دینی مادھو! میں کوئی بات بھولی نہیں ہوں۔ تارنی اپنے اسی روکے کے ساتھ
ہماری رانا کا بیاہ کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت تک ہمارے جتنارہ کی پیدائش نہ ہوئی۔
یعنی۔ تارنی نے سوچا تھا کہ یہ شادی ہو جانے پر پروا نہ کرے گی کہ تمام دولت جائداد
ہماری مٹھی میں آجائے گی۔ سمجھ گئے نا بیٹا دینی! لیکن جیب وہ بیاہ نہیں ہوا تو اسی
بھیر و آچار یہ سے نہ جانے کتنے جیب تپ اور ٹوٹے ٹوٹے کر کے اس نے میری بیٹی کی
شہرت میں ایسی آگ لگا دی کہ چھ مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ میری بچی کے ہاتھ کی
چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور اچھے کاسینا درد پونچھ گیا۔ چھوٹی ذات کا ہو کر چاہتا تھا پروا نہ
کرے گی کہ لڑکی کو اپنی بہو بنانا! پاجی کی موت بھی ویسی ہی ہوئی۔ لڑکے کے ہاتھ کی لنگ
تک نصیب نہ ہوئی تا کہ لڑکے چھوٹی ذات کے منہ میں۔

یہ کہہ کر موسیٰ ہانپنے لگیں، جیسے کسی سے گشتی لڑی ہو۔ بار بار چھوٹی ذات چھوٹی
ذات سن کر دینی ہی چہرہ بھی اتر گیا۔ کیونکہ تارنی گھوٹال آخسر اس کے چچا ہی تھے۔

رہا نہ یہ دیکھ کر موسیٰ کو قدرے پشکار تے ہوئے کہا : "کیوں موسیٰ ! تم کسی کی ذات کے بارے میں اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہو؟ ذات تو کسی کے ہاتھ کی گھڑی ہوئی چیز نہیں جس کی پیدائش جس ذات میں ہوئی ہو، اس کے لئے ذات اچھی ہے۔"

دینی نے قدسے نامت آمیز بچے میں کہا : "بہنیں رہا موسیٰ نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک ہی کہا ہے بہن، تم اتنے جیسے ملے ذات کے گھرانے کی لڑکی ٹھہریں بغیر انہیں ہم لوگ اپنے گھر لے سکتے ہیں، چھوٹے چچا کا اس طرح کی بات اپنی زبان پر لانا ہی بے ادب تھا۔ اور جو لڑنے لڑنے کی بات کہتی ہو، وہ بھی درست ہی ہے۔ دنیا تمہارا کوئی کام ایسا نہیں جو چھوٹے چچا، اور یہ بد بخت بھیرو چارہ نہ کر سکتا ہو۔ یہی بھیرو آج کل پیشی کا مربی بنا ہوا ہے۔"

موسیٰ نے کہا : "ہاں دینی! یہ تو سمجھی ہوئی بات ہے، اس بارہ برس سے تو وہ دلشیں میں آیا نہیں آخرا تھے وزن تک وہ تھا کہاں؟"

دینی نے کہا : "موسیٰ! معلوم کیا معلوم، چھوٹے چچا کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ تم لوگوں کا تھا، ویسا ہی ہم لوگوں کا بھی تھا۔ سنا ہوں کہ اتنے دنوں تک وہ بیٹی یا اور کہیں تھا۔ کوئی کہتا ہے، وہ ڈاکڑی پاس کر کے آیا ہے، کوئی کہتا ہے، وہ کس بن کر آیا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے، یہ سنہریا ہے۔ کیونکہ لائڈا جی شری ہے۔ جب گھر آکر چچا تو اس کی آنکھیں گڑھل کے پھل کی طرح شری تھیں۔"

موسیٰ نے کہا : "یہ بات ہے؟ جب تو اسے گھر میں قدم بھی نہ رکھے دینا چاہیے؟" دینی نے جوش سے سر ہل کر کہا : "کبھی قدم نہیں رکھے دینا چاہیے۔ کیوں مانا نہیں رہیں تو یاد ہے نا؟"

اسی لمحہ فحشی کا تذکرہ چھڑانے پر رانا دل ہی دل میں نام نہاد ہی تھی۔ اسی شریکین ہزارے سے مسکاتی ہوئی پوئی : "داد کیوں نہیں۔ مگر کچھ بہت بڑے"

تو میں نہیں اور پھر شیلہ تلے والے مدرسے میں ہم لوگ اکٹھے ہی پڑھا کرتے تھے۔ لیکن
 ماں، انکی ماں کا مرنے پر بہت چھی طرح یاد ہے۔ چچی مجھے بہت مانتی تھیں۔
 موصی ایک بار پھر ملنے کر پولیس ڈیوٹی گئے اس کے مانتے میں سہ ماہی خالی اپنا
 کام نکالنے کے لئے تھا۔ ان لوگوں کا مطلب ہی تھا کسی طرح ہمیں اپنے ماتھے
 میں کرنا۔

دینی کے واقف حالات کی طرح ہیکارا بھرتے ہوئے کہاں اس میں کیا شک
 ہے۔ چھوٹی تھی بھی۔۔۔

لیکن واقعی اس کی بات مکمل بھی نہ ہو سکی تھی۔ کدنا ناراض ہو کر موسیٰ سے کہنے لگی۔
 ”موسیٰ! اب ان پرانی باتوں کو دہرانے کی کیا ضرورت ہے؟“

دیش کے باپ سے چاہے کتنا ہی جھگڑا کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی ماں کے بارے
 میں راکھ کے دل کے کسی کرنے میں چھی ہوئی سبھی تھی۔ دینی نے فوراً تائید کرتے
 ہوئے کہا: ”ہاں، ہاں، یہ تو ٹھیک ہی ہے۔ چھوٹی تھی بہت بھلے گھر کی لڑکی تھیں۔“
 بھی اگر ان کی کوئی بات چھوٹی ہے تو میری ماں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

جب دینی نے دیکھا کہ بات کہیں کی کہیں پہنچ رہی ہے تو انہوں نے فوراً موضوع
 بدلتے ہوئے کہا: ”لو کیوں بہن! یہی ٹھیک رہنا، اب اس میں کوئی رد و بدل تو نہ
 ہوگا نا؟“

تواہنی اور اس نے کہا: ”بھیا! بابو جی کہا کرتے تھے۔ کہ بیٹی آگ، توغن اور دشمن
 کا کچھ بھی باقی نہ چھوڑنا چاہیے۔ تارنی تھوڑا سی جیہ تک زندہ تھے۔ انہوں نے ہم لوگوں
 کو کم نہیں ستایا۔ انہوں نے تو ہمارے بابو جی تک کو جیل بھجونا چاہتا تھا۔ بھیا میں کوئی
 بات بھولی نہیں ہوں اور جب تک زندہ ہوں گی اس وقت تک بھول بھی نہیں سکتی۔
 رعیش ہمارے اس دشمن کے لاکے ہیں نا اور پھر میں تو کسی طرح جا ہی نہیں

سکتی۔ بالو جی ہم دونوں بھائی بہن میں جا بیا د تقسیم کر گئے ہیں، لیکن سبکا بندہ
کرنا تو میرے ہی ذمے ہے۔ ہم لوگ تو نہیں جائیں گے۔ بلکہ جن لوگوں کے ساتھ ہم
لوگوں کا کوئی تعلق ہے انہیں بھی ہم لوگ تو نہیں جانے دیجئے۔ دپھر کچھ سوچ کر۔
کیوں جیتا انہم کوئی ایسا انتظام نہیں کر سکتے کہ کوئی برہمن ان کے گھر نہ جائے؟

دیتی کچھ اور آگے کھسکا آئے اور دوا دھیرے سے کہنے لگے: بہن! میں اسی
بات کی تو میں کوشش کر رہا ہوں۔ مگر تم میری پشت پر رہو تو پھر مجھے اور کسی بات
کی فکر نہیں۔ اگر میں ریش راس کنڈاں پر، گھاؤں سے نہ ہٹا دوں تو میرا نام دلی
گھوشتال نہیں۔ پھر وہ جاؤں گا میں اور یہ بھیروا چاریہ! اب تارنی گھوشتال تو یہی نہیں
پھر دیکھو ننگا کہ اس سالے کو کون بچا رہا ہے؟

رتانے کہا: یہ بچائیں گے ریش گھوشتال! دیکھو بڑے بھیا! میں کہے دیتی ہوں۔ کہ
دشمنی میں یہ بھی کسی نہ کر بیٹھے!

دیتی اب کچھ اور بھی آگے کھسکا۔ آئے اور دوا دھیرے سے کہنے لگے: چوکت پر ہم کر بیٹھے
گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی آواز اور بھی دھیمی کر کے کہا: اگر تم ہانس کو بنا نا چاہتی ہو
تو میں یہی رقت ہے۔ یہ میں نہیں بتائے دیتا ہوں لیکن جب وہ یک جا بیٹھا تو پھر کچھ
بھی نہ ہو سکے گا۔ ابھی تک اس نے یہ نہیں سلیھا ہے۔ کہ دھن دولت اور زمین کا ملاو
کی کس طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ اب اگر اسی دوران میں دشمن کو تباہ نہ کر دیا جائیگا
تو آئندہ چل کر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ یہ بات میں دن رات یاد رکھتی پڑے گی کہ اگر کوئی
بہنیں تارنی گھوشتال کے روکے ہیں؟

رتانے کہا: بڑے بھیا! یہ تو میں اچھی طرح سمجھتی ہوں!

دیتی نے کہا: بہن! بعد ایسی کرنسی بات ہے جو تم نہ سمجھتی ہو۔ لیکن تو
تمہیں روکا بنانے بنانے روکا بنادیا۔ ہم لوگ تو انہیں میں اکثر کہا کرتے ہیں کہ

سمجھ بوجھ میں اچھے اچھے زمیندار بھی ہندو کے سامنے کئی چیز نہیں اچھا تو میں کل پھر کسی وقت آؤں گا۔ آج دیر ہو رہی ہے اب میں جاتا ہوں۔
 یہ کہہ کر دینی گھوٹال اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنی اس تعریف سے بڑی خوش ہوئی اور اٹھ کھڑی ہوئی مدہ دینی سے کچھ اور باتیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ صحن کے ایک طرف سے کسی اجنبی آدمی کی متین ادارستانی دی۔

”ارے رانی کہاں ہے؟“

جب راجپوتنی تھی تو ریش کل اس سے اسی نام سے پکارا کرتی تھی۔ لیکن اتنے دن گزر جانے پر اب وہ خود بھی یہ بات بھل گئی تھی۔ اس نے دینی کی طرف دیکھا کہ اس کے تمام چہرے پر سیاہی پھیل گئی ہے۔ اتنے میں خشک بال کھڑے ننگے پاؤں اور دوپٹہ پیٹنے ریش اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

دینی پر نگاہ پڑتے ہی وہ ہنسے۔ ”ارے یہ تو بڑے جھٹیا ہیں آپ یہاں کہاں اچھا چلے۔ آپ دہاں نہ ہونگے تو صاحب کام کت کرے گا۔ میں تو گاؤں بھر میں آپ کو ڈھونڈتا پھر تا ہوں۔ رانی کہاں ہے؟“

یہ کہتے ہوئے ریش کھڑکی کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ اس وقت رہا جھاگ تو سکتی نہ تھی۔ اس نے سر جھکا کر چپ چاپ کھڑی رہی۔ ریش نے کہ جرتک اسکی طرف دیکھ کر متھیلو لیے میں کہا۔ ”ارے ساہ اقم لو اتنی بڑی سہ نہیں اچھی طرح تو مہر۔“

رہا سر جھکائے کھڑی رہی اس طرح اچانک ریش کے آجانے کے باعث وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ریش نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ”پچاسنتی تو ہر نہ؟ میں ہندو ریش بیاموں۔“

لیکن رما اب بھی اس کی طرف سراٹھا کر نہ دیکھ سکی۔ ہاں لازم ہے میں اس نے
 بوجھا تا پ اچھے میں ہے۔
 "ہاں، بالکل اچھی طرح ہوں۔" ریشی نے کہا: "لیکن رانم مجھے آپ کیوں
 کہتی ہو؟"

پھر دینی کی طرف دیکھ کر اور غم آلود سی ہنسی پہنچے تھے وہ بڑے بیٹا!
 رما کی وہ بات میں آج تک نہیں بھولا۔ جب اس مری بھتی، یہ بہت چھوٹی تھیں۔
 اس وقت انہوں نے میرے آنسو پونچھ کر کہا تھا۔ ریشی بھتی بارو نہیں، میری ماں تو
 ہے ہی۔ ہم دونوں اسی کو اوصاف بانٹ لیں گے۔ کیوں نہ؟ ہمیں تو وہ بات یاد
 نہ ہوگی؟ اچھا میری ماں کی تو ہمیں یاد ہے نا؟

یہ سنکر رما کا سر گر یا شرم سے اور بھی جھک گیا۔ وہ ذرا سا سر ہل کر بھی یہ نہ جانتا
 سکی کہ تائی جی کی سب باتیں مجھے خوب یاد ہیں۔ ریشی خاص طور پر رما کو سنا کر کہنے لگا۔
 اب وقت بالکل نہیں صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے وہ سب کر ڈالو
 جیسے بالکل بے اسرا کہتے ہیں۔ وہی ہو کر میں تم لوگوں کے درد ان سے پناہ مانوں۔ تم لوگوں
 کے بغیر میں کوئی ذرا سا بھی انتظام نہ کر سکیں گا۔

موسیٰ چپ چاپ آکر ریشی کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ جب دینی یارتا میں سے
 کسی نے بھی ریشی کی بات کا جواب نہ دیا تو وہ سامنے آ گئیں اور ریشی کے منہ کی
 طرف دیکھ کر بولیں: "کیوں بھتی! تم تارنی گھوشتاں ہی کے لڑکے ہو نہ؟"

ریشی نے آج سے پیشتر کبھی موسیٰ کو نہ دیکھا تھا، کیوں کہ جب وہ نکلا تو چھوڑ
 کر چلے گئے تھے تو رما کی ماں کی علالت کے دوران میں وہ اس گھر میں آئی تھیں۔
 اور اس وقت سے اس گھر کے باہر نہیں نکلیں۔ ریشی حیران سے ہو کر ان کی
 طرف دیکھے گئے۔ موسیٰ نے کہا: "اور ہمیں تو ایسا بے حیا اور کون ہو گا؟ جیسا

باپ دلیسا بیٹا۔ نہ کچھ کہنا، نہ کچھ پوچھنا، ایک بھلے آدمی کے گھر میں گھس کر اس طرح شور مچاتے تھیں شرم نہیں آتی؟

ریش حیران و ششدر سے دیکھتے رہ گئے۔ دینی یہ کہتے ہوئے دماغ سے کھسکے۔ اچھا تو میں اب چلتا ہوں؟

رمانے کو ٹھڈی کے اندر سے کہا: موسیٰ! تم بھی کیا بک جھٹ کر رہی ہو، تم اپنا کام کرو نہ جا کر!!

موسیٰ نے سمجھا کہ وہ بھانجی کا چچا ہوا اشارہ سمجھ گئی، اس نے انہوں نے اپنے لب و لہجہ میں اور بھی زہر ملا کر کہا: دیکھو دیا، تم نے بکو، جو کام کرنا ہی ہے اس کے لئے میری آنکھوں میں ہتھاری طرح شرم دلایا نہیں۔ بھلا دینی کس طرح ڈر کر جا گئے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنا کہہ جانا کہ بھتیجا، ہم نے تو تمہارا سزا کو یاد گار شے ہیں اور نہ ہتھاری زمین داری کی سچایا میں جو ہم ہتھارے کا مہ و صند سے لے گھر میں پانی بھرنے اور لٹا کر دینے آئیں گے تاملی مرا تو سکاؤں بھریا کیجنا ٹھنڈا ہوا۔ یہ کہنے کا ہوجھ جھپ پر چھوڑنے کی بجائے خود ہی اس کے منہ پر کھ جانا تو مردانگی کا کام ہوتا۔

ریش اب بھی خاموش، پتھر کی مورتی کی طرح کھڑے رہے دراصل ان باتوں کا انہیں خواب میں خیال نہ تھا۔ اندر سے رسولی گھر کی کھڑکی صحن صحن کرتی ہوئی ملے۔ لیکن کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، موسیٰ نے ریش کے پریشان سے اور زرد پڑے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ کر ہر کہنا شروع کیا: خیر کچھ بھی ہو لیکن میں ایک برہمن کے ڈکے کی دربان یا نوکر سے بے عزتی نہیں کر دانی چاہتی۔ جیتا، تم ذرا ہوش اٹھکانے دیکھ کر کام کرو۔ یہاں سے فوراً چلا جاؤ۔ تم کوئی زادان بچے نہیں جو جو بھلے آدمیوں کے گھر میں گھس کر سب کو تاؤ دکھاتے پھرتے ہو۔

نہاے گھر ہماری تان بھی پاؤں دھوئے بھی نہ جائے گی۔

ریش گویا چاکلہ بند لٹنے پر جاگ پڑے۔ اچانک ان کے سینے سے ایک سرد آواز اٹھ اٹھی اور اس کی آواز نے خود انہیں بھی حیران کر دیا۔ گھر کے اندر سے کڑھ کی آڑ سے رمانے سر اٹھا کر دیکھا۔ ریش نے پہلے تو شاید کچھ اور اڑھ کر کیا اور پھر رسی گھر کی طرف دیکھ کر کہا: اگر کسی طرح۔ نہیں جاسکتیں تو پھر چارہ ہی کیا ہے؟ لیکن میں تو یہ سب باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ رانی، ناواقفیت میں مجھ سے جو بھول ہو گئی اس کے لئے مجھے معاف کرنا۔

یہ کہہ کر ریش آہستہ آہستہ دہلیز سے بچے نکلے۔ کوٹھڑی کے اندر سے کسی طرح کی کوئی آواز تک شافی نہ ریش کو اس بات کا بھی پتا نہ چل سکا کہ جس سے معافی مانگی تھی۔ وہ آڑ میں کھڑی ان کے منہ کی طرف دیکھ رہی تھی اس کے جاتے ہی دینی پھر دہلیز آ پہنچے۔ وہ دہلیز سے بھاگے نہ تھے۔ بلکہ باہر چھپ کر صرف ریش کے دہلیز سے جاتے کی راہ دیکھ رہے تھے۔ موسیٰ سے آگے چلے جاتے ہی۔ ان کا چہرہ مسرت الہامی سے بھر گیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر کہا: واہ موسیٰ! تم نے بھی ضرب گھری گھری سنائیں! اس طرح کی باتیں ہمارے منہ سے تو کبھی نکل ہی نہ سکتی تھیں۔ رہا۔ یہ کیا کسی زکریا ربانی کا کام تھا؟ ہیں تو باہر دوسرے کچھ اگلا دیکھ رہا تھا۔ وہ لوڑا سا شہ کے باہر لی طرح منہ باکر چلا گیا۔ بہت اچھا ہوا۔

موسیٰ نے جھٹلائے ہوئے سے لیکن خیر یہ بچے میں کہا: ہاں یہ تو میں جانتی ہوں کہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن اگر تم یہ سب باتیں کہنے کا بوجھ ہم دوسروں پر چھوڑ کر کھسک نہ جاتے اور خود ہی کہتے الہامی اچھا ہوتا۔ اور اگر تم یہ سب باتیں نہیں کہہ سکتے تھے۔ تو ہمیں کھڑے ہو کر کیوں نہیں سن گئے کہ میں نے اسے کیا کہا؟ تھلا اس طرح یہاں سے کھسک جانا مناسب نہ تھا۔

قربانی کے چہرے پر مسکراہٹ موسیٰ کی باتوں کے کڑے پن میں ملی کر ہوا۔

ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ اس الزام میں اپنی کیا صفائی پیش کروں! لیکن انہیں زیادہ دیر تک نہ سوچنا پڑا۔ اچانک رما اندر سے موسیٰ کی باتوں کا جواب دے بیٹھی۔ اتنی دیر تک وہ بالکل خاموشی تھی۔ اس نے کہا: ”موسیٰ! جب تم نے خود ہی سب باتیں کہہ دیں تو یہ سب سے اچھا ہوا اور کوئی خواہ کتنا ہی کیوں نہ کہتا، لیکن وہ تمہاری طرح نہ بن سکتا۔ اتنا زیادہ زہر تو نہ اُگل سکتا۔“

موسیٰ اوروہ قہقہہ دونوں کو انتہائی حیرت ہوئی، موسیٰ نے رسوئی گھر کی طرف موڑ کر پوچھا: ”کیا کہا تو نے؟“

تو نے جو اہم بات کچھ بھی نہیں۔ پوچھا کرتی کتنی لڑم سا رہا تھیں۔ جاؤ جا کر پوچھا تو پوری کروں راج کیا رسوئی وغیرہ کچھ نہ ہو گی؟“

یہ کہہ کر رما خود ہی اہر نکل آئی۔ سادہ خیر کسی سے کچھ کہے سنے بندہ پار کر کے دوسری طرف کی کھڑکی میں چلی گئی۔ دینی نے مشک منہ سے بہت آہستہ سے پوچھا: ”موسیٰ! یہ بات کیا ہے؟“

موسیٰ نے کہا: ”بھئی! میں کیا جانوں۔ آج راج دانی کا مزاج سمجھا کیا ہماری ایسی لڑکائیوں اور مزید مزیدوں کا کام ہے؟“

”تسلیم کرتے تھے غم غم کے مارے موسیٰ کے چہرے کا رنگ صیّا ہ پڑ گیا۔ وہ جا کر پھر پوچھا: ”آسن پر بیٹھ گئیں۔ سادہ دل ہی دل میں جھگڑان کے نام کی تلا جینے لگیں۔ دینی ٹھوٹھال بھی آہستہ آہستہ دیاں سے چلے گئے۔“

(۲۲)

اس گاؤں — کنواں پور کی زمین جائداد کی تاریخ بھی عجیب ہے ! جے
یہاں بیان کر دینا ضروری ہے۔ تقریباً سو برس پیشتر مگر جی خاندان کے ایک بزرگ
بلام مگر جی اپنے ہم نام دوست بلوم گھوٹال کو ساتھ لے کر کبم پور سے یہاں آئے
تھے۔ بلوم مگر جی انتہائی محنتی اور محاذ ہم تھے۔

انہوں نے اپنی شادی کر کے امر ساری ملازمت کر کے اور ساتھ ہی ساتھ نہ جانے
کیا کچھ کر کے یہاں آکر حاصل کی تھی گھوٹال نے بھی اسی علاقے میں شادی کر لی —
لیکن ان میں آبائی قرض سے سبکدوش ہونے کے سوا اور کسی بات کی اہلیت نہ تھی۔
اس لئے دوسرے اور تیسرے ہی میں زندگی بسر کرنے رہے۔ شادی ہی کے معاملے میں
دونوں ہم ناموں پر کچھ اتفاق سا پیدا ہو گیا تھا اور آخر وہ اتفاق اتنا بڑھا، دیسے فساد
کی صورت اختیار ہو گیا کہ جس برس ایک ایک ہی گھاؤں میں سمنے کے باوجود انہوں
نے کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ جس دن بلوم مگر جی کا انتقال
ہوا اس دن ہی بلوم گھوٹال نے ان کے گھر پاؤں نہیں رکھا۔ لیکن مگر جی کے مرنے کے
دوسرے روز ایک حیرت ناک بات معلوم ہوئی کہ وہ اپنی تمام جائداد دوسری جھلپا
میں تقسیم کر کے ایک حصہ اپنے بیٹے کو اور دوسرا حصہ اپنے ہم نام دوست کے دوکوں
کو دے گئے ہیں۔ اسی وقت سے کنواں پور کی جائداد مگر جی اور گھوٹال کے گھرانوں
کے قبضہ و اختیار میں آ رہی ہے۔ یہ لوگ خود بھی اس بات پر فخر کرتے ہیں اور
اور گھاؤں کے لوگ بھی اس بات سے انکار نہیں کرتے۔ ہم جی وقت کا ذکر کر رہے
ہیں۔ اس وقت گھوٹال خاندان بھی دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ بہت دن

ہوئے اس خاندان کی چوٹی شاخ کے مالک تاریکی گھوٹال مقدے کے سلسلے
 میں ضلع کچہری میں گئے ہوئے تھے۔ وہاں عدالت میں ان کے پانچ بیٹے چھوٹے
 بڑے مقدموں کی تارکین بن گئے۔ لیکن ان سب مقدموں کی ذرہ بھر پیدا نہ کرتے
 ہوئے وہ نہ جانے کون سی سب سے بڑی عدالت کا قلم قبول کر کے چپ چاپ اس دنیا
 سے منہ موڑ گئے۔ کنواں پور گاؤں اور اس کے قرب و جوار میں گھراؤں جمع کیا۔ گھوٹال
 خاندان کی بڑی شاخ کے مالک تاریکی گھوٹال اپنے چچا کی موت سے خوش ہوئے۔
 اور دل ہی دل میں اطمینان کی سانس لیکر گھر لوٹ آئے سپرنٹنڈنٹ انڈسٹریل
 کے اس بات کی توجہ کش کرنے لگے کہ چچا کے شرادھ کے دن رکاوٹ ڈال جائے
 اور شرادھ اچھی طرح نہ ہو سکے۔ مگر شدت کس برس سے چچا بھتیجے نے ایک دوسرے کا
 منہ نہ دیکھا تھا۔ دس برس پختہ تاریکی گھوٹال کی بیوی کے مرنے سے ان
 کا گھر سب نامور گیا تھا۔ اسی وقت انہوں نے اپنے بیٹے رامیش کو اس کے ناموں کے
 گھر بھیج دیا تھا اور خود اپنے گھر میں ملازموں اور نوکریوں کے ساتھ اور باہر معاملے
 مقدموں میں مصروف ہو کر اپنے دن گزارتے تھے۔ رامیش کو اپنے باپ کے مرنے کی خبر سن کر
 اطلاع لے کر کالج میں مل اور وہ اپنے باپ کے مرنے کے آخری مراسم ادا کرنے کے لئے ایک
 مہینہ کے بعد کل تیسرے پہر اپنے دیوان گھر میں آ پہنچے۔

شرادھ میں صرف دو تین دن رہ گئے تھے۔ انوار کو رامیش کے پتا کا شرادھ تھا۔
 ایک ایک دودھ کے قریبی گاؤں کے بڑے بڑے آہستہ آہستہ رہے تھے بلکہ خود
 کنواں پور گاؤں کی آدمی نہیں آ رہا تھا۔ رامیش نے یہ بات سمجھ لی اور شاید یہ بھی سمجھ
 لیا۔ اس گاؤں کا کوئی آدمی آخری لمحہ تک نہ آیا۔ البتہ چھوڑا چارہ اور اس کے
 گھر کے تمام اقدار کام کاج میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔ اگرچہ رامیش کو یہ اسید نہ
 تھی کہ خود ہمارے گاؤں کے باہنوں کے چروں کی دھول ہمارے گھر

میں پڑے گی تاہم وہ اپنے یہاں کا تمام بند و بست بڑے آدمیوں ہی کی طرح کر رہے تھے۔ تاج وہ بہت دیر سے اپنے گھر کے اندر ہی کام دھندوں میں لگے ہوئے تھے۔ جب وہ کسی کام سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ بیرونی جھک میں دو بوڑھے شریف آدمی بستر پر بیٹھے تنباکو پی رہے ہیں۔ وہ ان کے سامنے پہنچی کر ادب سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ انہیں عقب میں کچھ آواز سنائی دی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا — ایک بہت ہی بوڑھے اپنے ساتھ پانچ چھ لڑکے لڑکیاں کو لے کھانٹے ہوئے اندر چلے آ رہے ہیں۔ ان کے کندھے پر ایک میلا سا دوپٹہ ہے۔ ناک پر ایک جوڑی بلیکن کی طرح ایک بڑا چنہ ہے جو دونوں سے نیچے بندھا ہوا ہے۔ سر کے بال بالکل سفید ہیں انہیں بھی بالکل سفید۔ لیکن تنباکو کے دھوئیں سے تانبے کی طرح ہوری میں کچھ اور ان کے ڈھکھڑوں نے اسی سیاہ چمے میں سے ٹھوٹی ویرنگ ریش کی طرف دیکھا اور پیر پیر کیے تھے ایک دم رونے لگے بیش نہ چھانکے کہ یوں میں لیکن وہ کوئی بھی ہوں ریش گھرا کر ان کی طرف بڑے جیسے ہی ریش نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ اٹھے یہ تمہیں بھیا ریش میں تو خوب میں بھی یہ نہ ہائی۔ خفا کہ تاری جھے اس طرح دھوکا دیکر چل دیں گے۔ لیکن میرا بھی ایسے چیر جی خاندان میں جنم نہیں ہوا جو کسی کے خوف سے منہ سے جھوٹی بات نکالے۔ میں یہاں آتے وقت ہمارے دینی گھوشل کے منہ پہ کہہ آیا ہوں۔ کہ ہمارے ریش جیسے شراہ کا انتظام کر رہے ہیں ایسا شراہ کرنا تو سچا اس طرف کبھی کسی نے آنکھ سے دیکھا بھی نہ ہوگا۔

تدرے ٹوک کر انہوں نے پھر کہا: میرے بارے میں بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ تم سے طرح طرح کی باتیں کہیں گے۔ لیکن یہ یقین جاز کہ یہ دھرم داس جو دھرم ہی کا داس ہے اور کسی کا نہیں۔
یہ کہہ کر بوڑھے نے اپنی صداقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے گو دند لگائی گئی

ہاتھ سے حقہ چھین لیا اور اس کا ایک گوش کھینچے ہی بڑے زور سے کھانا شروع کر دیا۔

دعرم داس نے کچھ زیادہ سہانہ نہ کیا تھا۔ وہاں شرادھ کا جو انتظام ہو رہا تھا۔ وہاں اس طرف آج تک کسی نے نہیں کیا تھا۔ کلکتے سے حوائی آئے تھے اور انہوں نے صحن میں ایک طرف اپنی بھٹی بنا رکھی تھی۔ اسکے چاروں طرف محلے کے لوگوں اور لڑکیوں کا ہجوم تھا۔ انگٹوں کو کپڑے ہائے جانے والے تھے۔ چنڈی منڈپ کے اس طرف برآمدے میں بھیر دھارا چارہ تھا توں میں سے دھوئیاں بھاڑ بھاڑ کر اور تکر کے ان کے ڈھیر بھاڑ رہے تھے۔ ادھر بھی کئی آدمی جم کر بیٹھے تھے۔ اور اس دفعہ خرچی کا حساب لگا کر ریش کران کی اس حاکمت پر دل ہی دل میں گالیاں دے رہے تھے۔ غریب ناکت زدہ لوگ لوگ خبر پا کر دُور دُور سے چلا آ رہے تھے۔ تمام گھر طرح طرح کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ کہیں کچھ لوگ لڑھکھڑا رہے تھے۔ تو کہیں جھوٹا موٹا شور ہی مچا رہے تھے۔ چاروں طرف دیکھنے پر جب دھرم داس کو خرچ کی اس زیادتی کا پتہ چلا تو ان کی کھانسی اور بھی بڑھ گئی۔

دھرم داس کی باتوں کے جواب میں ریش شرما کو نہ نہیں انہیں کے علاوہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے۔ لیکن دھرم داس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک کر دھرم دھرم اور بھی نہ جانے کتنی باتیں کہہ دیں۔ لیکن کھانسی کے زور کے باعث ان باتوں کا ایک لفظ بھی کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔

گو دھرم داس نے سب سے پہلے آئے تھے۔ جو باتیں دھرم داس نے ہی تھیں۔ وہ سب باتیں کہنے کا موقع سب سے پہلے گزری کر چکا تھا۔ لیکن گو دھرم داس کے منہ سے باتیں نہ نکل سکیں۔ اس لئے وہ سوچنے لگے کہ میں نے ایسی اچھی باتیں کہنے

کا مزاج یہی صلیح کیا جاوے سوچ کر انہیں بے حواس ہو رہا تھا۔ لیکن اب یہ جو دوسرا موقع تھا اسے انہوں نے ناواقف سے نہیں جانے دیا۔ انہوں نے دھرم داس کو سناٹے ہوئے عہد کی عہد کی کہنا شروع کیا: محل صبح، بجے نہ بتا دھرم داس! یہاں آئے کے لئے میں گھر سے نکلا ہی تھا کہ لگے دینی مجھے پکارتے۔۔۔ گرو دچیا، ذرا متبا کر دیتے جاؤ! پہلے ترس نے سوچا کہ اس کے پاس جاتے کی ضرورت نہیں، پھر دل میں آیا کہ ذرا چل کر اس کے دل کی تنہاؤ تو لیتی چاہیے۔ بھتیہا ریش، اتم جانے تم۔ کہ دینی لے کیا کہا، اس نے کہا کہ چچا، اتم تو ریش کی مدد کر کے لے لے کر دے ہو گئے ہو۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا اور سب لوگ بھی کھائیں نہیں گئے؟

کھانا میں کیوں چھوڑنے لگا؟ تم بڑے آدمی ہو تو ہوا کرد مہارے ریش بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ مہارے گھر سے لکھنؤ کو منشی بھر چڑھے بھی لے کی امید نہیں میں نے کہا مدینی بابو ایسی تو آئے جانے کا راستہ ہے جب غریب اور کنگال خدمت ہونے لگیں تو دوسرا گھر سے ہر کر دیکھنا۔ ریش ابھی لڑکے ہی تو کیا ہوا۔ بھتیہا اس کو کہتے ہیں امیری اتنی عمر ہوئی، لیکن آج تک ایسی تیاری، نگہ سے دیکھی نہ کھان سے مٹنی لیکن میں یہ بھی کہتا ہوں بھتیہا! کہ ہم لوگوں کے بس میں ہے ہی کیا! جن کا کاہ ہے وہی اوپر سے سب کر رہے ہیں۔ تارنی بھتیہا اگر شاہ بھر شٹ، دو کپال نہیں تھے تو کیا تھے؟

لیکن دھرم داس کی کھانسی کسی طرح مٹتی ہی نہ تھی۔ دو کھانے میں رہ گئے۔ اور ان کے دیکھنے لنگولی مہارے اتنی اچھی اچھی اور اتنی زیادہ باتیں اس نادانی اور معاندانہ شناس دینداس کے سامنے کہہ گئے۔ یہ دیکھ کر دھرم داس ان سے بھی زیادہ اچھی باتیں کہنے کی کوشش میں مضطرب ہو گئے۔

لنگولی مہارے پھر کہنے لگے: بھتیہا اتم کوئی غیر توہم نہیں۔ بالکل اپنے ہی

جا بیٹھے۔ ریش اندر جانا ہی چاہتے تھے۔ کہ دھرم داس اپنی بڑا کر تک طرف لے گئے۔ اور ہستہ آہستہ ان کے کان میں بہت سی باتیں کہیں عجب میں ریش نے سر ہلا کر گویا اپنی رائے ظاہر کی اور اندر چلے گئے۔ گووند سنگھ کی لے لہڑوں کی تہ لگاتے ہوئے کنگھیوں سے یہ سب کچھ دیکھا۔

اتنے میں ایک ڈبل پتے بڑے برہنہ جن کی موچیں مڑی ہوئی تھیں۔ یہ کہتے ہوئے آہٹے بھیا کہاں ہیں؟ ریش بھیا کہاں ہیں؟

ان برہنہ دیوتا کے ساتھ دو تین لڑکے لڑکیاں بھی تھیں۔ لڑکی سب سے بڑی تھی۔ اس کے بدن پر ایک بے حد پیٹی پرانی دُورے کی دھرتی تھی۔ دونوں لڑکیوں کی کمر میں صرف ایک ایک لنگولی تھی۔ اس کے سوا وہ بالکل ننگ دھڑنگ تھے۔ سب نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ گووند نے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا: آؤ۔ دینو تھیا، جیو۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے قادیوں کی خاک یہاں پڑی۔ لڑکا لکیرا حیران ہوا جاتا ہے۔ اس لئے آپ لوگ....

دھرم داس نے گووند کی طرف ڈرا تیز نگاہ سے دیکھا۔ لیکن گووند نے اس کی طرف دھیان دینے بغیر کہا: آپ لوگ تو بھیا اس طرف آئیں گے نہیں۔ یہ کہہ کر گووند نے حقہ ان کی طرف بڑا دیا۔ دینو بھیا چاریہ نے بیچہ کر چلے ہوئے حقے کے یونی دو کش کھینچ کر کہنے لگے: بھائی، میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔ ہتھامی ہو کر لانے کے لئے اس کے باپ کے گھر گیا تھا۔ بھیا کہاں ہیں؟ سنا ہے کہ بہت بڑا انعام سونپا ہے۔ راستے میں اس لگاؤں کے بازار سے سنتا آ رہا ہوں۔ کہ سب کو کھلانے پلانے کے بعد چھوٹے بڑے سب کے ہاتھ میں سولہ سولہ قودیاں اور چار چار جڑی سبزیں بھی دئے جائیں گے۔

لے سبزیں۔۔۔ بھل کی ایک خاص مشائی دمنہم

گووند نے بچے کو قدرے دیکھا کر کے کہا: "اس کے علاوہ شاید ایک ایک دھوکہ
 بھی لے گی۔ سو گھبراہٹ میں بیٹھ گیا۔ اس نے بیٹے کو دیکھ کر کہا تھا کہ تم
 لوگوں کے — چاندیوں کے — الٹا کھنڈیر دے سب جو لوگ تو
 ایک طرح سے لگا ہوا ہے۔ لیکن دینی بہت بڑی طرح سے نیچے پڑا ہے۔
 میرے ہی ہاں اس کے جانے کے لئے وہ بار آوی بیٹھا تھا۔ لیکن میری بات چھوڑو،
 میرا تریش کے ساتھ خون کا رشتہ ٹھہرا۔ لیکن یہ دیکھو بیٹا، دھوکہ دہس
 بیٹا ہوئے۔ یہ لوگ کیا ہتھیں پرینی چھوڑ سکتے ہیں؟ دیکھو بیٹا، تو اسے میں خبر نہ
 دے دے ہوتے یہاں آئے ہیں — بے ارادہ شئی چن! اور تباہی دہرہ بیٹا
 ریش ڈرا دھروں ایک بات کہہ رہے ہیں۔

اس طرح گووند ریش کو ایک طرف لے گئے۔ اور آہستہ سے ان سے پوچھنے لگے۔
 "کیا اندر دھرم داس کی عورت آئی ہے؟"

خبردار بیٹا، ایسا کام نہ کرنا۔ یہ چالاک برہمن کتا ہی کیوں نہ پھلانے۔ لیکن
 بیٹا، اتم دھرم داس کی عورت کے ماتھے میں بھندور کی چابی نہ دینا۔ وہ گھٹی آٹا تیل
 نمک سب ادا ادا کھسکا دیگی۔ ہتھیں نگوں ہاتھ کی ہے؟ میں جانتے ہی
 تھیں بیٹا، کو بیچ دے گا۔ وہ اگر بھندور کا تمام بار سنبھال لے گا، اور ہندو ایک
 تنکا تک نقصان نہ ہونے پائے گا۔

ریش سر ہلا کر اور جو کلمہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن انکی حیرت کا ٹکڑا نہ تھا۔
 دھرم داس نے بہت ہی خفیہ طریق سے ان سے کہا تھا کہ بھندور کا کام سنبھالنے
 کے لئے ہم اپنی چوکی کو بیچ دیں گے۔ لیکن گووند نے یہ بات کیسے جان لی کہ ہر داس
 نے یہی بات کہی تھی؟

دونوں دھرم داس لڑکے آئے اور دیکھ بیٹا کے کندھے سے ٹھک کر کہنے

اچھا تو پھر اوصاف و اوصاف سے زیادہ نہ دینا۔ ارے اوشنشی چرن از پانی تو لانا
ہاتھ دھوؤں؟

اتنے میں ریش نے پکا کر کہا: "سشنشی چرن اندر سے تین چار رکابیاں
بھی لیتے آنا۔"

ٹھیک سا حکم ہوتے ہی اندر سے تین چار رکابیاں اور پان کے مجلس آ گئے۔
اھہ کہتے ہی دیکھتے اس بڑے بھال کی تقریباً نصف منٹالی ان مینوں بوڑھے
اھہ لیریا کے مارے ہوئے برہمنوں نے جل پان سی میں ختم کر ڈالی۔
وینا ناتھ نے صاف سے لے کر کہا: "ہاں، یہ لوگ یہی سٹھکے کے مار گئے ہیں۔ اکیس
تھیا؟"

دہرم دس بھیا متا کے کی رکابی ابھی خالی نہ ہوئی تھی مگر چہ ان کی آواز
"سندیش" کے تھکے گزرتے گزرتے منہ سے باہر نکلتی تھی تاہم لوگوں کی سمجھ میں آ گیا
کہ اس بار سے جس اجنبی اختلاف نہیں۔

"ہاں، یہ ہے، اس نادان ناتھ؟" کہہ کر جب گووند سب سے آخر میں ہاتھ دھونے
گئے تو حوالی نے زخمی سے کہا: "پنڈت بھائی صاحبزادے، جب آپ نے تھلیف ہی کی ہے تو
ذرا یہ بوندی کالٹو بھی چکھ لے، ورنہ اس کی بھی پرکھ ہو جائے۔"

گووند نے کہا: "بوندی کالٹو کہاں ہے بھیا۔ ورنہ لاؤ تو دیکھ ہی لیں۔"

لڈو بھی آئے۔ ہاتھ سندیش ختم کرنے کے بعد بھی اس نئی چیز کا صحیح استعمال
سمجھتے دیکھ کر ریش دیکھتے ہی رہ گئے۔ دینا ناتھ نے اپنی لڑکی کی طرف ہاتھ پھیلا کر
کہا: "ارے بھیا، لے تو بیٹی یہ بوندی کے دولٹو۔"

تھیلے کہا: "اب مجھ سے تو نہیں کھائے جائیں گے بالوچی؟"

وینا ناتھ نے کہا: "ارے اکیس اکیس نہیں جائے گا، کھایا جائے گا۔ ذرا

ایک گھونٹ پانی پی کر گلا نر کر لے، منہ آگیا سرھکا۔ اور اگر نہ کھایا جائے تو نخل میں گرہ دے کر بازو دھ لے۔ کل صبح کھالینا۔ ماں بھتی۔ خوب کھلایا۔ سب چیزیں گویا امرت ہیں امرت بہت اچھی بنی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہی طرح کی مٹھائی بڑائی ہے۔
بھتی ۹

رمیش کو جواب نہیں دینا پڑا۔ حلوائی ہی نے اشتیاق آمیز لہجے میں جواب دیا۔
"جی نہیں، نہ سٹکے، کھیر موہن....."

دینا ناکہ نے مقبوضہ ریش کے منہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ کھیر موہن بھی ہے کہاں ہے بھتی؟ وہ تو قم نے نکالا ہی نہیں! کھیر موہن کھایا تھا میں نے رادھا نگر کے بڑے بابو کے گھر راج تک جیسے منہ میں اس کا ذائقہ موجود ہے۔ بھتی۔ میں کہوں گا تو نہیں یقین نہ آئیگا۔ لیکن کھیر موہن مجھے سچا پسند ہے۔"

رمیش نے ہنسی کر ذرا سر ہلا دیا۔ انہیں یقین کرنا زیادہ دشوار معلوم نہ ہوا۔ راکھل کسی کام سے باہر جا رہا تھا۔ ریش نے اسے بلا کر کہا۔ راکھل، اندر شاید آچار یہ جی ہیں۔ ذرا جا کر ان سے کہو تو کچھ کھیر موہن لیتے آئیں۔ شام ہوگئی تھی لیکن پھر بھی پرہیز کھیر موہن کی امید میں بیٹھے رہے۔ حقارتی دیر بعد راکھل واپس آکر بولا۔ بھتی۔
اب بھتی ناکہ کا تالا نہیں کھلے گا۔

رمیش دل ہی دل میں کچھ چڑھے، انہوں نے کہا۔ "جاؤ، جاؤ کہہ کر میں منگوا رہا ہوں۔"

گوڈا سنگھ کی نے ریش کی ناکھلی دیکھ کر آنکھیں پچاتے ہوئے کہا۔ بھتی، دیکھی بغیر دل عقل! معلوم ہوتا ہے ماں سے بھی زیادہ موسمی کو دوسرے! اسی نے تو میں کہتا ہوں۔"

لیکن ان کی بات سے بغیر ہی راکھل ہی نے کہا۔ آچار یہ جی کھا کریں ورس

گھر سے مالکن نے اگر بھنڈا رہنڈ کر دیا ہے ؟
 دھرم داس اور گوندو دونوں ہی چونک پڑے اٹھ بولے ۔
 ”کون ؟ مالکن کون ؟“

ریش نے حیرت سے پوچھا ”کیا تائی جی آئی ہیں ؟“
 راکھال نے کہا : ”جی ہاں ، انہوں نے آتے ہی چھوٹے اور بڑے دونوں بھنڈوں
 میں کالا لگا دیا ہے ۔“ حیرت اور مسرت کے مارے ریش کے منہ سے کوئی بات نہ
 نکلی اور وہ ہنسنے لگا کہ جلد ہی سے اندر چلے گئے ۔

(۳)

”تائی جی !“

آواز سننے ہی دشواری بھنڈا سے ابھر نکلی آئیں ۔ اگر تو بچہ کی عمر سے اندازہ
 کیا جائے تو ان کی ماں کی عمر بچاس برس سے کم نہ ہونی چاہیے ۔ لیکن برس دیکھنے پر
 وہ کسی طرح چالیس برس سے زیادہ کی معلوم نہ ہوتی تھیں ۔ ریش نکلی لگا کر ان
 کی طرف دیکھتے رہے ۔ اب بھی ان کا رہی کچے سونے کا رنگ تھا ۔ کسی وقتیں
 کے جس شن کی بے حد شہرت تھی ماں کا وہ بے مثال حسن آج بھی ان کے سانس
 میں فٹکتے ہوئے اور صحت مند جسم کو چھوڑ کر جا نہیں سکا تھا ۔ ان کے سر کے
 بال کٹے ہوئے اور چھوٹے چھوٹے تھے ۔ جن کی کچھ ٹیپیں بل کھا کر پیشانی پر اچھی تھیں
 ناگ اور رضا رام برنٹ ، پیشانی سب اعصاب گویا کسی بہت بڑے سارنگ کی انتہائی
 کوشش اور کمال فن کا نتیجہ تھے ۔ اور سب سے بڑھ کر وہ نگین تھیں ۔
 تھوڑی دیر ان کی طرف دیکھتے رہنے سے گویا تمام دل محبت سے ابھریز

ہوتا ہے۔

یہ تالی جی کسی وقت ریش اور حضورؐ اس کی آجہانی ماں کو بہت زیادہ چاہتی تھیں۔ بیاہ ہو جانے کے بعد جب کچھ وقت تک ان دونوں میں سے کسی سے بچے نہیں ہوئے اور ساس اور تند کی کوششوں سے اکتا کر دنگا آ کر یہ دیرانی جیٹانی چپ کر ایک ساتھ بیٹھ کر روئیں تو یہ رشتہ محبت پہلے پہل استدار ہوا تھا۔ اس کے بعد افسر و خاندان کی جلدی اعلیٰ مقدمے اور نہ جانے کتنی لڑائیاں اور جھگڑے ان دونوں گرسلیوں پر سے ہر گز رنگے ملائی جھگڑوں کے باعث وہ رشتہ محبت قدرے کمزور ہو گیا لیکن پھر بھی ایک دم ٹوٹ نہ سکا۔ بہت دنوں کے بعد جب آج اسی دیرانی کے بعد درج میں وہ نہیں تو اس کے ہاتھ کے چھائے ہوئے بست پرانے برتن وغیرہ دیکھ کر تالی جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ریش کے پکارنے پر جب وہ اپنی آنکھیں پونچھ کر باہر نکلیں تو ان سرخ انیلم آلود آنکھوں کی طرف دیکھ کر ریش کچھ دیر کے لئے عیرون سے رہائے تالی جی بھی یہ دیکھیا۔ اور اسی لئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریش ریش کی طرف دیکھتے ہی ان کا دل روتا تھا۔ لیکن انہوں نے اسے اندر ہی اندر رو با دیا۔ اور قدرے جیتے ہوئے کہا: ریش مجھے پہچان لیا ہے۔

جواب دیتے ہوئے ریش کے ہونٹ کا پھٹنے لگے۔ ماں کے مرنے کے بعد جب تک ریش اپنے ماں کے گھر نہیں گئے تھے۔ اس وقت تک اپنی تالی جی نے انہیں کچھ سے بھگا کر رکھا تھا اور وہ کسی طرح انہیں الگ ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ آج انہیں وہ باتیں بھی یاد آئیں اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ ابھی کل ہی جب میں تالی جی کے گھر گیا تھا۔ تو انہوں نے کہا: یا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اور باتیں تک کر ناپسند نہ کیا تھا۔ اور اس کے بعد جب ریش کے سامنے اور اس کی

سے شکایت میز لے میں کہا: وہ رے میری تقدیر! ارے اگر ایک بار ملاقات نہیں ہوئی تو دوبارہ نہیں جانا چاہیے؟ میں جانتی ہوں کہ وہ تم لوگوں سے خوش نہیں۔
 لیکن نہیں تو اپنا کام کرنا ہی چاہیے۔ جاؤ۔ ایک بار پھر جا کر اس سے اچھی طرح کہو۔ وہ
 بہت بڑا بھائی ہے۔ اس کے سامنے دے جے میں ہنسا رہی ہوتی نہیں۔ اور اس کے علاوہ
 بیٹا، یہ آدمی کے لئے بھی بڑا وقت ہے کہ اس میں سب لوگوں کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر
 ان سے جھگڑا مٹا دینے میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ میرے راجہ بیٹا ایک بار جاؤ میرا
 خیال ہے کہ اس وقت وہ گھر پر ہو گا۔

رمیش خاموش رہے۔ تائی جی کے اتنا زیادہ اصرار کرنے کا مقصد بھی وہ صاف
 صاف نہ سمجھ سکے اور ان کے دل کا شک بھی دور نہ ہوا۔ وشنو کیشوری نے کچھ اور آگے
 بڑھ کر نرم لہجے میں کہا: باہر جو لوگ بیٹھے ہیں، انہیں میں تم سے بہت زیادہ
 جانتی ہوں۔ تم ان لوگوں کی باتیں نہ سناؤ۔ آؤ چلو، میرے ساتھ اپنے بڑے بھائی
 کے پاس چلو۔

رمیش نے سر ہل کر کہا: نہیں تائی جی، یہ بات نہ مہمگی۔ اور باہر جو لوگ
 بیٹھے ہیں۔ وہ چاہے جیسے بھی ہوں، لیکن اس وقت میرے وہی سب سے زیادہ
 اپنے ہیں۔ رمیش ابھی اور بھی نہ جانے کیا کیا کہنا چاہتے تھے۔ لیکن تائی جی
 کے چہرے کی طرف دیکھ کر انہیں بے حد حیرت ہوئی۔ اس قدر خاموش ہو گئے۔ انہیں
 ایسا معلوم ہوا کہ تائی جی کا چہرہ چاروں طرف پھیلی ہوئی شام کی تاریکی سے بھی زیادہ
 تاریک ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد تائی جی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: اچھا
 یونہی سہی، جب تم کسی طرح اس کے پاس جا ہی نہیں سکتے تو پھر اس بارے میں کچھ
 کہنا ہی فضول ہے۔ لیکن پھر بھی بیٹا۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرنا۔ بہت بڑا آدمی
 رکھا نہیں رہے گا۔ میں کل صبح جلد ہی آ جاؤں گی۔

یہ کہہ کر وشو لیٹوری نے اپنی لوگرانی کو بلایا۔ اور اس کے ہمراہ کھرک دے راستے سے چلی گئیں۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس دوران میں ریش سے دینی کی ملاقات ہو چکی ہے اور کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔ وہ جس راستے سے گئی تھیں۔ ریش کچھ دیر تک خاموش کھرکے اس راستے کی طرف دیکھتے رہے۔ اس کے بعد جب وہ بہت ادا اس ہو کر باہر نکلے۔ تو گوند نے گھر آکر پوچھا یہ کیوں بتایا۔ جی ماں جی آئی تھیں نا؟
ریش نے سر ہلا کر کہا: ہاں؟

گوند نے کہا: میں نے سنا ہے کہ وہ بھنڈار بند کر کے چابی اپنے ساتھ لیتی گئی۔

ہاں؟

ریش نے یوں ہی سر ہلا کر اس کی بات کا جواب دے دیا کیونکہ جیسے وقت نہ جانے کیا سوچ کر تاتی جی بھنڈار کے چابی اپنے ساتھ ہی لیتی گئی تھیں۔ گوند نے کہا: دیکھا نہ بتیادھرم داس! میں نے جو کہا تھا وہی ہوا نہ! کیوں بتیادھرم داس! یہ مطلب سمجھ گئے نہ؟

ریش دل ہی دل میں بے حد ناراض ہوئے۔ لیکن اپنی مجبور سی کے خسیال سے برداشت کر کے خاموش رہ گئے۔ دینو بٹھا چار یہ ابھی تک نہیں گئے تھے۔ ان میں ذرا سمجھ نہ تھی۔ جس کی مہربانی سے وہ اپنے لڑکے لڑکیوں سمیت پیٹ بھر کر کھانے گئے۔ اسے دو چار دلی اشیر داد دے۔ اور سب کے سامنے لہذا دان سے ان کی سات پشتوں کی تعریف کئے بغیر وہ گھر نہیں جاسکتے تھے۔ انہوں نے انتہائی نرمی سے کہا: بتیادھرم داس! یہ مطلب سمجھنا کیا مشکل ہے۔ بادہ جو تالا بند کر کے چابی اپنے ساتھ لیتی گئی ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ بھنڈار دھرم داس کے ہاتھ میں نہ جائے۔ وہ سب کچھ تو جانتی ہیں؟

گوند چر گئے تھے۔ بیوقوف دینو کی اس بات سے جل جھل کر انہوں نے

جھڑکتے ہوئے کہا: جب غم کوئی بات سمجھتے ہو جتنے ہی نہیں تو پھر وہ میان میں ہلکیں پڑتے ہو۔ ہم ان سب باتوں کا کیا کھجور کہ مطلب لگانے بیٹھ گئے۔

جھڑکی سن کر دیند کی عقل باطل غائب ہو گئی۔ انہوں نے بھی گرم ہو کر جواب دیا: ارے اس میں سمجھنے کو جتنے ہی بات ہے، سنئے نہیں کہ مالکن خود اگر صندار بند کر کے چالی اپنے ساتھ لیتی گئی ہیں؟ اس میں اند کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

گووند نے گل بگولا ہو کر کہا: ارے صندار چاہیہ، تم اپنے گھر جاؤ نا، جس کام کے لئے دوڑے آئے تھے وہ تو ہو گیا۔ گھر بھر لے کر لوٹ چکنا اور پلے بھی ہاندھو کے لے چلے اب کیوں ٹھہرے ہو؟ اب پر سوں کھیر میں کھانا، اب اند کچھ نہیں۔ اس وقت جاؤ۔ ہمیں ابھی بہت سے کام ہیں، دھیزو شرماتے گئے۔ اور تمیش اتنے ہی متاثر اور سنجیدہ ہوئے۔

گووند ابھی اور نہ جانے کیا کہنا چاہتے تھے۔ لیکن اچانک تمیش کی پرسکون سیکن بھڑائی ہوئی آواز سے رک گئے۔ سنگھنگولی جی، آپ کو ہو گیا گیا ہے؟ آپ اس طرح خود خواہ کسی کی تحقیر و تذلیل کیوں کرتے ہیں؟

گووند پہلے تو یہ جھڑکی سن کر حیران ہوئے۔ لیکن فوراً انہوں نے خشک ہنسی ہنس کر کہا: بھئیہ۔ میں نے کس کی بے عزتی کی؟ آپ اپنی سے پوچھیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ یہ اگر ڈال ڈال چلے ہیں تو میں پات پات چلتا ہوں دیکھو نہ بھئیہ دھرم دھرم۔ اس دھیزو بہن کی حاجت اچھا۔

یہ تو دھرم دھرم ہی جانیں کہ انہوں نے کیا دیکھا، لیکن تمیش اس آدمی کی بے شرمی اور دھناتی دیکھ کر حیران دمست شد رہ گئے۔ اس وقت دھیزو نے تمیش کی طرف دیکھ کر طوطی ہی کہا: نہیں بھئیہ، گووند جی شک ہی کہتے ہیں یہ تو سب لوگ جانتے ہیں کہ میں بہت غریب ہوں۔ ان سب لوگوں کی طرح میرے پاس زمین

یا کھیت کچھ بھی نہیں۔ کسی طرح الگ الگ کر اپنے دن پورے کر رہا ہوں، بھگان
 نے جے اتنی تو فیت تو دی نہیں کہ اپنے بچوں کو کوئی اچھی چیز کھلا سکوں، اس نے جب
 بڑے آدمیوں کے گھر کوئی کام کاج مہماتا ہے۔ تو یہ کھانی جاتے ہیں۔ بھگیا آپ اس
 بات کا کچھ خیال نہ کریں۔ جب تارنی بھتیازندہ سے تو ہم لوگوں کو کھانا پلانا انہیں بہت پسند
 تھا اس لئے بھتیازیں آپ سے لعلینی طور پر کہتا ہوں۔ کہ میں جو پیٹ بھر کے کھلا یا ہے، اسے
 اوپر سے دیکھ کر وہ خوش ہی ہوئے ہیں۔

یہ کہتے کہتے وینر کی منلین اور خشک آنکھوں میں پانی بھرا یا اور سب کے دیکھتے دیکھتے
 ٹپ ٹپ آنسوؤں کی دو چارہ پڑیں بھی گر پڑیں۔ رتمیش نے منہ پھیر لیا۔ وینر نے اپنے
 میلے اور سینکڑوں جگر سے پھٹے ہوئے دوپٹے سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا بھتیاز
 صرف میں ہی نہیں، یہاں میرے ایسے جتنے غریب ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کبھی
 تارنی بھتیاز کے آگے ہاتھ پھیلا کر خالی نہیں لٹا۔ بھلا یہ سب ہاتس کون جانے گا وہ
 درمیں ہاتھ سے جو دن کرتے تھے۔ اس کا پتہ ان کے ہاتس ہاتھ کو بھی نہ مہماتا تھا لیکن
 اب میں آپ لوگوں کو زیادہ تنگ نہ کر دوں محماد زربٹی مسنیا، اٹھ بیٹا ہری دھن اچلو گھر
 چلیں۔ اب کل صبح آئیں گے بھتیازمیش، اب میں اور کیا کہوں یہی کہتا ہوں کہ اپنے
 پٹا کی طرح بنو اور ملک جگ جگو!

رتمیش نے اس کے ساتھ ساتھ راستے تک آکر گھر گیر آوازیں کہاں بھنا چا رہی
 درمیں دن تک مجھ پر ننگا و کرم ہی رکھے محماد اور مجھے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے
 لیکن اگر اس گھر میں ہری دھن کی ماں کے تدموں کی خاک پڑے تو میں اپنی خوش
 قسمتی سمجھوں گا!

بھتیازاریہ نے مرضطرب ہو کر اپنے ددڑوں ہاتھوں سے رتمیش کے ددڑوں ہاتھ
 پکڑ لئے اور دوتے دوتے کہاں بیٹا رتمیش۔ میں بہت ہی غریب اور دکھیا ہوں

تم جو مجھے اس طرح کی باتیں کہتے ہو تو میں شرم کے مارے مر جاتا ہوں۔
 اپنے لڑکے اور لڑکی کو ساتھ لے کر بڑا عابر بن ہوتا ہوتا چلا گیا۔ ریش بھی لڑٹ
 آئے۔ گنگولی جی سے انہوں نے جو سخت بات کہی تھی۔ اسے سوت کر وہ کچھ کہنے ہی
 دے گئے۔ کہ انہیں روک کر گوند نے کہا۔ بھیا ریش، یہ تو ہمارا اپلا ہی کام ہے۔ گ
 غم نہ بھی بلاتے جب بھی ہم لوگوں کو خود ہی یہاں آکر سب کام کرنے پڑتے۔ اسی لئے تو
 میں آیا ہوں۔ دھرم داس اور میں، دونوں بھائی، ہمارے بلانے کی راہ ہی نہیں
 دیکھتے۔

دھرم داس ابھی ابھی متبا کو پی کر کھانسی رہے تھے۔ وہ اپنی لاشی کے سہاے
 اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کھانسی کے زور میں آنکھیں اور منہ سرخ کر کے ہاتھ سنا کر
 بولے۔ ”بھیا ریش، سنو میں دینی گھوشتل نہیں ہوں۔ ہم لوگوں کی پیدائش کا ٹیک
 نڈکا ہے۔“

دھرم داس کی اس اخلاق سے گری ہوئی بات سے ریش چوتک پڑے لیکن
 اب انہوں نے غصہ نہیں کیا۔ اس نفوٹ سی عمر ہی میں انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ
 یہ دل فیلم کی کسی اور تجزیہ کے فقدان کے باعث بغیر کسی پچکھاٹ کے کتنی بڑی
 گندی بات کہہ جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ گندی ہے۔

”نانی جی کے محبت آمیز اصرار اور پُر سوز لہجہ کو یاد کر کے ریش دل ہی دل میں
 درسا محسوس کر رہے تھے۔ سب کے چلے جانے پر وہ بھیا کے پاس جانے کے
 لئے تیار ہوئے۔ جب وہ دینی کے منڈپ کے باہر جا کر پہنچے۔ اس رات کے
 آٹھ بجے تھے۔ اندر گریا ایک طرح کی لڑائی مہر ہی تھی۔ گوند گنگولی کہ چیخ پکار
 سب سے زیادہ تھی۔ باہر ہی سے ان کے کانوں میں آواز پہنچی۔ گوند
 ہانسی لگا کر کہہ رہے تھے۔ اگر چاروں میں یہ جڑھے تباہ نہ ہو جائے تو تو لوگ

کام نہ چلے گا اصرار پھر جب بڑی ماکن غور چلی گردنیں پہنچ گئی ہیں تو . . .
 دینی چونک پٹسے انہوں نے پوچھا کیا ماں گئی تھیں؟
 دینی کو چونکے دیکھ کر گوند دل ہی دل میں خوش ہوئے۔ لیکن انہوں نے اپنے
 جذبات کو چھپا کر شریف آدمیوں کی طرح اس خبر کی وسعت کرتے ہوئے کہا
 "غالی جانا ہی کیا، بھٹا دندار۔ کام دھندا جو کچھ ہے سب وہی تو کہہ ہی ہیں اور پھر
 اگر وہ نہ کریں تو کسے کرن؟"

سب لوگ خاموش تھے۔ گوند نے ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔
 "ماں اکاؤں بھر میں کیا بڑی مانگن کی طرح ماکوئی اورادی ہے یا کبھی ہوگا؟ نہیں
 دینی باور اصرار پر کہنا خوشامد۔ سمجھا بیٹا۔ لیکن لوگ چارہ کچھ کہیں گاؤں میں اگر
 کوئی کشمی ہیں تو وہ نہایت اہل ہیں ایسی ماں کیا سترخص کو غیب ہوتی ہے؟"
 یہ کہہ کر اور پھر ایک لمبی سانس چھوڑ کر وہ خاموش ہو گئے مگر دینی نے کچھ دیر خاموش
 رہنے کے بعد کہا "اچھا"

گوند نے انہیں فوراً ہی پکڑ لیا اور کہا "دینی باور۔ غالی اچھا" کہنے سے کام
 نہیں چلے گا۔ آپ روتاں جیسا کہ سب کام کرنا پٹسے گا۔ سب بوجھ آپ ہی پر ہے۔
 ماں اس وقت آپ سب لوگ تو یہاں موجود ہی ہیں۔ دعوت کن کن لوگوں کو دی
 جائے گی۔ اس کے بعد فرد کیوں نہ تیار کر لی جلسے بد کیوں پیش باور؟ والدہ ماموں
 ٹھیک ہے نہ؟ درم درم کس بیٹا اب کیوں خاموش ہیں؟ آپ تو سب جانتے ہی ہیں۔
 کہ کسے بلانا چاہئے۔ اسکے نہیں؟ ہمیشہ نے کھڑے ہو کر نرم بجے میں کہا "بڑے
 جیسا اگر آپ کے قدموں کی خاک میرے گھر . . ."

دینی نے منامت سے کہا "بھبب الی دہل گئی ہیں تو میرا جانا نہ جانا
 کیوں گود کر چھا؟"

گووند کے کہہ کھٹے سے پہلے ہی ریش نے کہا : بڑے بھیا، میں آپ کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ذرا ایک بار دیکھیں آئیے گا۔
 دینی خاموش رہے۔ گووند کہہ ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں ریش چلے گئے۔
 گووند نے پہلے تریا سر جا کر اور جھانک کر دیکھا، پھر آہستہ سے کہا : دینی بلو، آپ نے لنگو کا اندازہ دیکھا؟ دینی بے دلی سے کہہ سوچ رہے تھے سس نے انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

راتے میں آتے وقت گووند کی باتوں کو یاد کر کے ریش کا اطمینان سے لہریز ہو گیا۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد وہ پھر لوٹے اور دینی کے گھر جا بیٹھے۔ اس وقت خیدی منڈپ میں شب زور سے بحث مہدی تھی اللہ شور و جھگڑا مہربان تھا۔ لیکن اسے سننے کی بھی انہیں خاموشی نہ ہوئی۔ انہوں نے سیدھے اندر پہنچ کر پکھلا۔
 — تالی جی!

تالی جی اس وقت اپنی کوٹھڑی کے سامنے والے برآمدے میں اندھیرے میں خاموش بیٹھی تھیں رات کر ریش کی آواز سن کر انہیں بے حد حیرت ہوئی انہوں نے کہا : ریش! کیوں بھیا؟ ریش پاس جا پہنچا۔ تالی جی نے گھر کو کہا۔
 ذرا ٹھہر دیکھا۔ میں کسی سے چسپوارہ لانے کے لئے کہہ دوں۔

ریش نے کہا : تالی جی، چلا آئے کی ضرورت نہیں آپ تکلیف نہ کریں۔ یہ کہہ کر ریش اندھیرے ہی میں ایک طرف بیٹھ گئے۔ تالی جی نے پوچھا : اتنی رات کو کیسے آئے بیٹا؟

ریش نے نرم لہجے میں کہا : ابھی تک لوگوں کو دعوت نہیں دیے گئے۔ اسی لئے میں آپ سے پوچھنے چلا آیا ہوں۔

تائی جی نے کہا: بیٹیا جب تو تم نے مجھے سباری مشکل میں ڈال دیا۔ یہ لڑک
کیا کہتے ہیں؟ گو وہ لنگولی اچھا چارہ ہے۔

ریش نے نہیں درمیان ہی میں رک کر کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ لڑکی کیا کہتے
ہیں۔ اچھا ابھی نہیں چاہتا آپ جو کچھ کہیں گی وہی ہو گا۔

اچانک ریش کی باتوں میں قدرے فٹکی کے آثار دیکھ کر وشویشوری دل میں
دل میں حیران ہوئیں۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا: تین ریش،
اس وقت تو کہتے تھے کہ یہی سب تمہارے لئے سب سے بڑھ کر اپنے ہیں۔ غیر کچھ
بھی ہو۔ لیکن ہم غلطوں کے کہنے سے کیا ہو گا بیٹیا؟ اس گھاؤں میں اور مرضی کسی
گھاؤں میں کیوں، ہر گھاؤں میں ایسا چوتھا ہے کہ یہ ان کے ساتھ نہیں کھاتے اور وہ
ان کے ساتھ نہیں کھاتے۔ جیسے ہی کوئی کام آپڑتا ہے کہ انسان کے تعلقات کی حد
نہیں رہتی۔ گھاؤں میں اس سے بڑھ کر مشکل کام ہر کرتی نہیں ہوتا کہ کسے چھوڑا
جائے اور کبھی رکھا جائے؟

ریش کو کوئی خالص حیرت نہیں ہوئی۔ لیکن ان وہی چاروں میں انہیں بہت
سی باتوں کا علم ہو گیا تھا پھر بھی پوچھنا سزا ایسا کیوں ہوتا ہے؟

وشویشوری نے کہا: بیٹا بہت سی باتیں ہیں۔ اگر یہاں رہو گے تو خود مسجد
سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ کسی کا واقعی کچھ فقور ہوتا ہے اور کسی پر پونہنی جھوٹ مٹ
کسی فقور کا اہم لگا دیا جاتا ہے اور پھر معاملے مقدموں اور جعلی گواہیوں
کے باعث بھی بڑی بڑی گروہ بندیاں ہوتی ہیں۔ ریش اگر میں دو دن اور پہلے
تمہارے یہاں پہنچ جاتی تو تمہیں کبھی اتنا کبھی یاد نہ کرتی۔ اب تو میں یہی سوچ
رہی ہوں کہ اسی دن کیا ہو گا؟

یہ کہہ کر تائی جی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ریش نے کہا: لیکن میرے

سابقہ تین باتوں کا کوئی قطعی نہیں ہیں تو ایک طرح سے پرہیزی ہی کہا جاسکتا۔
ہوں یہ جس کی محسوس کوئی دشمنی نہیں۔ تالی جی، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ میں
یہاں کی گروہ جذبیوں کا کوئی خیال نہ کروں گا۔ سب برہمنوں اور شوروں کو
دعوت دینا لیکن آپ کے حکم کے بغیر تو کچھ کر نہیں سکتا۔ اس لئے آپ حکم دیدیں۔

تالی جی نے قدر سے خاموشی رہ کر اور کچھ سوچ کر کہا: لیکن رعیش، اس
طرح کا حکم میں نہیں دے سکتی۔ اس سے بے حد گراؤ پڑ جائے گی۔ لیکن میں یہ بھی
نہیں سمجھتی کہ ہتھارا کہنا ٹھیک نہیں۔ لیکن جیسا، یہ صرف درست اور غلط کی
بات نہیں سماج نے جسے سزا دیکر انگ کر رکھا ہے۔ اسے کسی طرح زبردستی
نہا کر نہیں لایا جاسکتا۔ سماج خواہ کیسا بھی ہو۔ لیکن اسے ماننا پڑتا ہے —
رعیش: اس طرح تو کبھی کام نہیں چل سکتا۔

اس بات پر غور کر کے رعیش اسے نامنظور نہ کر سکتا تھا، لیکن ابھی باہر
اسی سماج کے معزز ارکان کل حوالات اور فریب دہی اس نے دیکھی تھی وہ اُنکے
دل میں آگ سی سلگا رہی تھی۔ اسی لئے اس نے نفرت کے جوش میں کہہ ڈالا: اس
گناہ کے سماج میں یہی گوند اور دھوم دس وغیرہ ہی میں نا تالی جی، اگر ایسے سماج کی
نام کو بھی کوئی عزت دے رہے تو بہتر ہے۔

تالی جی نے رعیش کی مارا ٹھکی دیکھی لیکن اسی متین پے میں بول یہ رعیش،
صرف یہی لوگ نہیں۔ بلکہ ہتھارے بڑے جیسا دینی بھی اسی سماج کے کرتادھرتا
ہیں۔

رعیش خاموش رہے۔ تالی جی نے پھر کہا شروع کیا یہ رعیش اسی لئے میں
کہتی ہوں کہ تم لوگ ان لوگوں کی رائے کے کام کرو۔ مگر میں قدمہ کہتی ہی
ان لوگوں کے خلاف جاننا چاہی نہیں۔

ریش نے کہا: "تائی جی! ابھی آپ ہی نے کہا ہے کہ مختلف وجہ سے بہنیں مردہ
 بندیاں ہوتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سب سے بڑی وجہ ذاتی رنجش ہے۔
 اور پھر اس کے علاوہ جب میں سچ یا جھوٹ کسی کے بھی تصور کی بات نہیں
 جانتا تو کسی کو بھی الگ کر کے اس کی بے عزتی کرنا میرے لئے نا انصافی ہوگی۔"

"تائی جی! لے قدرے ہنس کر کہا: "پاگل ہیں تم سے بڑی ہوں۔ تمہاری ماں کی جگہ
 ہوں میری بات نہ سننا بھی تو نا انصافی ہے۔"

ریش نے کہا: "تائی جی! میں کیا کروں۔ میں تو نصیحت کر چکا ہوں کہ سب کو بلاؤں گا۔
 ریش کا سونم صمیم دیکھ کر دسٹر لیشوری کا چہرہ اور اس ساہوگیا۔ انہوں نے کہا: جب
 تو تم خالی دکھا دے گے لئے میرا حکم لینے آئے ہو۔"

ریش نے سمجھ لیا کہ تائی جی ناراض ہو گئی ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ بے چین نہیں ہوئے۔
 انہوں نے محفوظی پر بعد اہت سے کہا: "تائی جی! میں سمجھتا تھا کہ میرا جو کام غیر مضمانہ نہ
 ہو گا۔ اس میں آپ مجھے مسرت سے آئیں اور وہی دلیل دینا۔"

لیکن بات ختم ہونے سے پہلے ہی دسٹر لیشوری نے روک کر کہا: "لیکن ریش! ہمیں
 یہ بھی تو جاننا چاہئے تھا کہ جس اپنے بیٹے کے خلاف نہیں جاسکوں گی۔"

اس بات سے ریش کے دل پر چوٹ لگی۔ کیونکہ منہ سے وہ خواہ کچھ کہیں، لیکن
 نہ جانے کیونکہ کل ہی سے ان کا دل تائی جی کے نزدیک اولاد ہی کا دعوے کرنے لگا تھا۔
 لیکن اب انہوں نے دیکھا کہ اس دعوے سے بہت زیادہ بندی پر خود ان کی
 اولاد کا دعوے جگہ بنائے بیٹھا ہے۔ وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہنے کے بعد اٹھ
 کھڑے ہوئے اور دبی ہوئی ناراضگی کے ادا میں بولے:-

"تائی جی! کل تک تو یہی سمجھتا تھا کہ اہ اس لئے آپ سے کہا تھا کہ مجھ سے
 جو کچھ ہوئے گا۔ وہ میں خود اکیلا ہی کروں گا۔ آپ آنے کی تکلیف نہ کریں۔"

تیرنہ یا ترا دغیرہ — اہاں چن ہی خوف سے سر نہیں اٹھا تا تھا کہ کہیں اتنے
 دنوں کے بعد یہ داستان پھر لگوں کی توجہ کامر کر بن جائے۔ لیکن گروہ تک جھاگ نکلی ہی
 وہ ذرا بھی کم نہ سمجھی۔ وہ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گئے۔ اندر زور سے چا کر کہنے لگے۔
 ”خدا کوئی کچھ بھی کیوں نہ کہے۔ یہاں کے چودھری ہیں۔ تیری گھونٹال پر ان مالدار
 اور جاودا مانہ مکہ جی کی لڑکی۔ ہم لوگ انہیں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے۔ جب تک ریش
 بھیا اس بات کا جواب نہ دیں گے کہ ہمیں لے بارہوی کی منظوری کے بغیر ان دونوں
 با معاش عورتوں کو کیوں گھر میں آنے دیا اس وقت تک ہم میں سے کوئی یہاں پانی
 نہ پئے گا۔“

دیکھتے دیکھتے اندر سے پانچ آدمی گھر سے پردہ پٹہ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔
 یہ سب لوگ دیہاتی تھے۔ اور خوب بگڑے تھے کہ صاحب کامروں میں کس وقت کو کسی
 چال سب سے زیادہ فائدہ بخش ہوتی ہے۔

جو رہمنوں میں سے جس کے جی میں آیا کہنے لگا۔ بھیر و اور دینو بھٹا چارہ تو
 بالکل روئے والے ہو گئے۔ وہ کبھی تو کھیتی مڑی اور اس کی لڑکی کے اور کسی منگولی
 اور مالدار کے ماتھے پر کپڑے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن ریش ایک بھی بات نہ کہہ
 سکے۔ ایک تو بھوک پیاس سے ان کی حالت اپنی خواب مہر ہی تھی۔ اس پر چاہے
 یہ جھگڑا ہو گیا۔ ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اور وہ حیران و ششدر سے خاموش
 کھڑے دیکھتے رہے۔

اتنے میں امدادی ریش!

اچانک اچہ بھر میں سب لوگوں کی متحیر نگاہیں دسٹو لیٹوری کے چہرے پر جا پڑیں۔
 وہ بھنڈار سے باہر نکل کر دروازے کے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے سر پر
 تو آنچل تھا لیکن منہ کھلا تھا۔ ریش نے دیکھا کہ تائی جی خود ہی نہ جانے

وہ خود ہی آگے بڑھائے اور ہنسنے ہوئے بڑے: "منیہا یہ سب چیزیں کس کے لئے جاتی ہے؟"

منیہا کے پاس جو بہت سی چھوٹی بڑی پونلیاں تھیں۔ ان کے بارے میں وہ خود کوئی جواب نہ دے سکے گی۔ اس خیل سے دینو نے خود ہی خشک ہنسی ہنس کر کہا: "بھیا، محلے میں چھوٹی جاتی کے بھی تو لڑکے ہیں۔ یہ کچی کھی جھوٹے لے جاتے گا تو انہیں تھوڑی بہت دے سکوں گا۔ لیکن خیر بھیا! آج تجھے معلوم ہوا کہ کیوں غلط بھر کے لوگ لینے لگے ہیں؟"

قمیش کوئی جواب دینے بغیر پھاٹک نکھان کے ساتھ چلے آئے اور اچانک پوچھ بیٹھے: "کیوں بھیا چاہیہ؟ آپ تو یہاں کے سب حالات جانتے ہیں آپ بتا سکتے ہیں کہ اس گھاؤں میں اتنا حسد اور نفرت کیوں ہے؟"

دینو نے اپنے منہ سے کچھ اور نکال کر اور دو ایک بار گزرتے جا کر کہا: "اوسے بھیا جی، ہم لوگوں کے اس گناہوں پر ہمارا گناہ ہے۔ تو پھر بھی بہت خیریت ہے۔ اور مرنی دن تک منیہا کے ہاں کے گھر رہ کر رہا کا جو حال دیکھ آیا ہوں۔ وہ میں تم سے کیا بھوں۔ وہاں پر چھوٹی اور کھانوں کے مشکلی سے جس گھر میں گئے پھر بھی کھاؤں بھر میں چار گروہ ہیں۔ ہر گھروں میں اپنے اسی بات پر اپنے بھائی کو مل چکا ہے۔ کیا تم نے اس میں سے کوئی دیکھی؟ اور اسے توڑنے کے لئے بھیا جی، ہر گناہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مغلے سعدیوں کے بارے میں سب میں سوسٹر چید ہیں۔ منیہا، خدا ہری دھن کے ہاتھ سے پڑی تھوڑے۔ خشک کیا ہوتا؟"

قمیش نے پھر پوچھا: "کیوں بھیا چاہیہ جی، کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا؟"

بھٹا چاہیہ نے ایک ٹیڈی سانس لے کر کہا: بیٹیا! اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے؟ یہ کھجک جو بھٹا لیکن پھر بھی بیٹیا جی! میں ایک بات کہہ سکتی ہوں۔ مجھے تو بکٹ کے لئے بہت سی جگہ جانا پڑنا ہے اور بہت سے لوگ مجھے برا بھلا بھی کہتے ہیں۔ اور جیت سے سہاروی سے بھی پیش آتے ہیں۔ میں نے خوب دیکھا ہے کہ آپ ایسے ذوقیوں میں دیا دھرم پھر بھی ہے۔۔۔۔۔ اگر نہیں ہے تو صرف ان بیٹوں میں یہ لوگ جہاں موقعہ پاتے ہیں۔ آدمی کے گلے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جاتے ہیں اور جب تک اس کی زبان اس طرح باہر نہ نکل آئے اس وقت تک اس کی جان نہیں چھوڑتے۔

یہ کہہ کر دیتو نے ایسے طریقے سے زبان باہر نکال کر دکھائی کہ رعیش کو ہنسی آگئی۔ لیکن دیتو اس ہنسی میں شامل نہ ہوئے اور بولے: بیٹیا جی! ہنسی کا وقت نہیں یہ بالکل صحیح ہے۔ میں ہی اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن۔۔۔ بیٹیا جی آپ تو اندھیرے میں بہت دھڑلے آئے!

رعیش نے کہا: کوئی فکر نہیں بھٹا چاہیہ جی! آپ کہتے چلیں! دیتو نے کہا: بیٹیا جی! میں اور کیا کہوں۔ ہر گاؤں میں ایسا مل جاتا ہے۔ جو کوئی گھڑی ہے اس کم بخت کے پاپ کی بات زبان پر آؤں تو پر آشوب کرنا پڑے۔ کہیں ہی رہتی ہے جو کچھ کہا اور جھوٹ عورتوں سے ہی تھا۔ لیکن اس سے سب ڈرتے ہیں۔ جلسہ ساری میں، جھوٹی گواہی دینے میں، جھوٹا مقدمہ ہانڈے میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ لیکن دینی بابو اس کی بیعت و پناہ میں ہی رہنے لگے کسی کو اس کے خلاف ایک بات کہنے کی بھی جرات نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ ہی لوگوں کو ذات برامدی سے باہر کرتا ہوتا ہے!

رعیش دیر تک اور کوئی سوال نہ لے بغیر چپ چاپ دیتو کے ساتھ ساتھ چلتے

رہے۔ غصے کے مارے ان کا بدن چٹکا جا رہا تھا۔ بھٹا چار یہ آپ ہی
 آپ کہنے لگے : بھتیجا جی، آپ میری بات یاد رکھئے گا۔ اس کیفیت پر پہنی
 کا آسانی سے چٹکا رہا نہ ہو گا۔ گودند گنگولی اور پران مالدار ————— دودو
 بھڑوں کی جیتوں کو چھیڑنا کیا کوئی معمول بات ہے؟ لیکن کچھ بھی کہو بھتیجا جی
 اس عدت میں بڑی ہمت ہے۔ ————— اور پھر ہمت کیوں نہ ہو؟ دھانیاں کھام کر کے
 گز رہے کتنے ہیں۔ سب گھروں میں اس کا آنا جانا ہے۔ سب کی سب باتوں کا پتہ رکھتی
 ہے۔ میں کہے دیتا ہوں کہ اس کے اس طرح پیچھے پٹھانے سے ان کی بدنامی کی حد نہ ہے
 گی۔ بھٹا آپ ہی بتائیے کہ بری باتیں کس گھر میں نہیں؟ دینی ہاؤس کی؟

ریش نے اس خوف سے کہ یہ نہ جانے کیا کہے گا۔ درمیان ہی میں روک کر کہا :
 رہنے دیجئے۔ بڑے بھتیجا کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں؟ دیو نے بھی لا جواب ہو
 کر کہا : ہاں، رہنے دو بھتیجا جی میں بھی غریب آدمی ہوں۔ مجھے کسی کی بات میں
 پڑنے کی کیا ضرورت اگر کوئی دینی بابو سے جا کر کہہ دے تو وہ میرا گھر ہی جلا
 ... ریش نے پھر روک کر پوچھا : کیوں بھٹا چار یہ جی آپ کا گھر کیا ابھی
 زیادہ دور ہے؟

نہیں بھتیجا، زیادہ دور نہیں، اس بند کے پاس ہی میری چھوٹی گھر ہے اگر
 کسی دن —————

”اؤنگا کیوں نہیں! ضرورتاً اؤنگا بھی تو کل صبح پھر آپ سے ملاقات ہوگی لیکن
 اس کے بعد بھی کبھی کبھی اپنے قدموں کی خاک بخشا کچھے کھا جائے گا۔“

یہ کہہ کر ریش دہلی سے ٹوٹ پڑے۔ دیو بھٹا چار یہ نے بھی انہیں اپنے دل سے اشرار
 دیا۔ ————— بھتیجا، دیر تک زندہ رہو۔ اپنے باپ کی طرح بنو!
 اور پھر وہ اپنے لڑکوں کو ساتھ لے اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔

(۵)

اس گاؤں میں مودی کی ایک ہی دکان تھی اور وہ تھی مدھوپال کی یہ دکان
 اسی کی طرف جانے والے راستے پر واقع تھی۔ حجب و س پارہ دن گزر گئے۔ اور
 وہ اپنے بقایا دس روپے لینے نہ آیا تو رعیش نہ جانے کیا سوچ کر اکیڈن صبح خود ہی
 اس کی دکان پر جانے کے لئے گھر سے نکلے۔ مدھوپال نے بڑی عزت سے ہر آدمی
 میں ایک موڑھا رکھ کر اس پر چھوٹے بابو کو بٹھایا۔ چھوٹے بابو کے آنے کا مقصد
 سن کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کی اتنی عمر گزر گئی تھی۔ لیکن اس نے آج تک نہ کبھی دیکھا
 تھا اس نے سنا ہی تھا کہ کوئی اپنی بقایا چکانے کے لئے خود چل کر آیا ہو۔ ہاتھ میں کئی
 موضع زبردست اگلے مدھولے کہا۔ سبلا ہالوجی، مکان کیسے چلی سکتی ہے؟ دو آنہ
 چلا آنہ ایک مدپیہ، سوامدیہ کر کے تقریباً پچاس ساٹھ روپے لوگوں کی
 طرف باقی پرے ہیں۔ کہہ لیا جاتے ہیں کہ ابھی ادا کر دیئے جائیں گے لیکن دو دو
 بیٹے تک ادا نہیں ہوتے۔ کن میزجی ہیں کیا؟ پر نام کہیے کب
 آئے؟

میزجی کے ہاتھ میں ایک وٹا تھا اور ان کے پاؤں کی انگلیوں
 اور ایٹریوں پر کچھڑ کے ریتے تھے۔ کان پر زمار لپٹا ہوا تھا۔ اور دائیں ہاتھ
 میں اردی کے پتے میں لپٹی ہوئی چار چھوٹی چھوٹی چنگڑی مچھلیاں تھیں۔ انہوں
 نے زور سے آہ کیلئے ہونے کہا۔ کل رات کو آیا ہوں مدھو، ذرا غائب کو
 لڑاؤ۔

یہ کہہ کر میزجی نے لوٹا اور مچھلیاں ایک طرف رکھ دیں اور کہا۔
 ”مدھو، تم نے اس لکھیا مچھیری کی عقل دیکھی؟ اس نے جھپٹ کے میرا

ہاتھ پکڑ لیا۔ دیکھو، دیکھتے ہی دیکھتے کسیا زمانہ بدل گیا ہے! اب یہ کیا ایک پیسے کی چنگڑی ہیں؟ بھلا برہمن کو ٹھیک کر یہ بڑھیا کتنے دن پیٹ بھر گئی؟
 تباہ نہیں ہو جائیگی؟

ماچھو نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کیا انہں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا؟
 مینرجی نے غصے میں چادروں طرف دیکھ کر جوش سے کہا: صرف اڑھائی پیسے اس کے باقی ہیں۔ کیا اس کے لئے وہ بازار بھر کے سامنے ہمارا ہاتھ پکڑے گی؟ بھلا بتاؤ۔ سڑکوں کوں ایسا ہو گا۔ جس نے نہ دیکھا ہو! میں نے اگر ندی میں لوٹا مایہنا ہاتھ پیر دھوئے اور سوچا کہ حلو زرا بازار بھی ہوتا چلوں۔ وہ ایک لڑکی میں مچھلی لئے بیٹھی تھی۔ لیکن مجھے دیکھتے ہی کہا: ————— مہاراج! اب کچھ نہیں بڑھیں وہ سب بک گئیں۔ لیکن ہماری آنکھوں میں بھلا خاک جھونک سکتی تھی۔ جیسے ہی میں نے لڑکی دیکھنے کے لئے کپڑا اٹھایا اس نے جھٹ میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ بھلا میں اس کے اڑھائی پیسے پہلے اور ایک پیسہ یہ۔ ٹھل ساٹھے میں پیسے سے کر گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا! کیوں مدھو، کیا کہتے ہو؟
 مدھو نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا: ارے مہاراج، ایسا کہیں ہو سکتا

ہے!

مینرجی نے کہا: بھلا اس گاؤں میں انصاف کہیں رہ گیا ہے؟ ورنہ اس کے گھر و سڑی، اجم، سب کا جانا بند کر دیا جاتا اور اس کا چھپر کاٹ کر گھر برا کر دیا جاتا۔

پھر اچانک ریشی کی طرف دیکھ کر پوچھا: مدھو! یہ ماہرچی کون ہیں؟
 مدھو نے فخریہ انداز میں کہا: یہ مہاراج، چھوٹے بابو کے لڑکے ہیں۔
 ابھی اس دن کے دس بجے باقی تھے۔ وہی ادا کرنے کے لئے گھر سے ہیں

کہ یہاں تک آئے ہیں؟

بہتر جی مچھلی والی کا دفعہ بھوکہ اور آنکھیں بھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولے اسے
تمیش بیٹیا ہیں، جیتے بھو بیٹیا ہیں نے آتے ہی سنا کہ آپ نے وہ کام کیا جسے
کام کہتے ہیں۔ اس طرح کا کھانا اس وقت آج تک کبھی میرا ہی نہیں لیکن اس
بات کا بڑا اندازہ کر لیں کہ میں آپ کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا۔ دو چار گھنٹوں کے
پھر میں بچہ کرکات لڑکری کرنے چلا گیا تھا اور اس حالت کو پہنچ گیا۔ اور سے مام دام
وہاں کوئی آدمی رہ سکتا ہے؟

تمیش چپ چاپ بہتر جی کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن وہاں پر
اور جتنے آدمی تھے۔ سب ان کے بگٹے جانے کا حال سننے کے لئے بے چین ہو گئے
اور نے بھاؤ مہر کہ حق بہتر جی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے پوچھا پھر کیا ہوا؟ کوئی لڑکری
جا کر ہی؟

ملی کیوں نہیں کیا میں نے پہنے دسے کر لکھا پڑا سنا سیکھا ہے؟ لیکن
لڑکری سننے ہی سے کیا ہوتا ہے؟ وہاں رہ کر نہ سکتا ہے۔ جیسا وقتوں، ویسا ہی کچھ
آخر تم گھر سے باہر نکلو اور گاڑی اگھوڑے کے پیچھے نہ بھاؤ۔ اور صبح سالم گھر لو
کہ تو سمجھا تمہارے باپ نے کرنی بڑائی کا کام کیا تھا؟

انہوں نے حیران ہو کر کہا: اسے ایسا آپ کیا کہتے ہیں؟ بہتر جی ہنس کر
بولے: ذرا اپنے تمیش بولتے پوچھو کہ میری سچ کہتا ہوں یا جھوٹ؟ انہیں
مردوں آپ یہاں کھانے کو لے یا نہ لے، میں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر مرد ہاؤں تو چھا
لیکن کوئی پولیس جانے کا نام بھی میرے سامنے نہ لے۔ شاید منہ نہیں میری
بات پر یقین نہ آئے کہ وہاں سویا، یا ملک اور حلیا، صبح وغیرہ تک خرید خرید
کر کھانا پڑا ہے۔ بخدا بتاؤ تم خرید کر کھا سکو گے؟ اس کی ہنسی پہنچے

میں بغیر کھائے پیار چوہے کی طرح مہنگیا ہوں۔ دن رات چیٹ گڑا کرتا ہے۔ کلیجا جلتا رہتا ہے۔ دل گھبراتا رہتا ہے۔ بھال کر جب یہاں آیا تو کہیں جان میں جان آئی۔ نہیں، اصحابی نہیں، اپنے بھائوں میں رہ کر جو کچھ ملے گا ایک وقت کھا کر گزرہ کروں گا۔ وہ بھی نہ ملے گا۔ تو اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر بھیک مانگ روں گا۔ برہمن کی اولاد کے لئے اس میں کوئی شرم کی بات نہیں، لکشی ماتا میرے سر تلگوں پر لیکن کوئی پردہ نہیں نہ جانے؟

جب تیز جی کی یہ داستان سنکب رگ حیران دست شد درہ گئے۔ تو وہ اٹھ کر تیل کے برتن کے پاس جا پہنچے اور پللی اٹھا کر برتن میں سے کوئی چٹا ٹک بھر تیل بائیں ہاتھ کی بیغلی پر ڈال لیا۔ پھر اس میں سے نصف کے قریب ناک اور کان میں ڈالا، باقی نصف سر پر مل لیا اور کہا: بہت دیر ہو گئی۔ اب ہمارے گھر چلنا چاہیے۔ مدھو ایک پیسے کا ٹنگ نوید دیہیہ تیسرے پیر دس جاؤں گا۔

”پھر وہی تیسرے پیر“ کہتا مدھو ناخوش چہرے سے ٹنگ دینے کے لئے اٹھا۔ بیز جی نے گردن بڑھا کر دیکھا اور حیرت و غضب کے انداز میں کہا:۔
”مدھو۔ تم لوگوں کو مہنگیا گیا ہے؟ یہ تو منہ پر پتھر مار کر چپہ چھینا ہے۔ دیکھو؟“

یہ کہہ کر تیز جی نے خود ہی آگے بڑھ کر ایک مٹھی بھر ٹنگ اداٹھا کر اور پڑے یا میں ڈال کر اسے جھپٹ لیا۔ پھر دنا اٹھا کر رتمیش کی طرف دیکھا اور قدرے مسکراتے ہوئے کہا: ”بیٹا جی، یہ ایک ہی ذرا سستا ہے۔ چلے ات چیت کرتے چلیں گے۔“

”چلے!“ کہہ کر رتمیش بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدھو نے قدرے فاصلے ہی پر کھڑے ہو کر پڑھوڑے لہجے میں کہا: ”بیز جی مہاراج وہ آئے گا“

”اس طرف بھی ایک چھوٹا سا سکول ہے۔ مگر جی ادر گھوڑاں کی کوسٹ شدوں سے یہ قائم ہوا تھا۔ تیس چالیس لاکے پڑتے ہیں۔ بعض دو دو تین تین کوس وگڑے بھی آتے ہیں۔ بھڑی بہت سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ لیکن پھر بھی سکول چلتا مشکل نظر آتا ہے۔“

رضیش کو یاد آیا کہ لوہین میں میں نے بھی کچھ دنوں تک اس سکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ہانڈے جی نے بتایا کہ اگر چھپر پھر سے ڈالا جائے گا تو اسد ہوات میں کوئی امداد نہ ملے گا۔ لیکن اس کی فکر تو کچھ بعد میں بھی کی جا سکتی ہے۔ اس وقت سب سے بڑھ کر فکر کی بات یہ ہے کہ ادر تین ماہ سے کسی مدرس کو تنخواہ نہیں دی گئی۔ اس نے آپ کوئی اپنے گھر سے کھا کر جنگل کے بھینے اپنی اہلی سکتا ہے۔

سکول کی بات سے رضیش بالکل متوجہ ہو گئے۔ وہ ہیڈ ماسٹر صاحب کو اپنے ساتھ لے کر بیٹھوسک میں چلے گئے۔ اور وہاں ان سے ایک ایک کر کے سب حال پوچھنے گئے۔ سکول میں چار مدرس ہیں۔ ان لوگوں نے بڑی محنت کر کے اوسطاً دو دو لڑکے ہر سال پرائمری کے امتحان میں پاس کرائے ہیں۔ ان کے نام اور پتے وغیرہ ہانڈے جی اس طرح سنائے گویا حفظ کر رکھوں۔ لوگوں سے جو نفیس وصول ہوتی ہے۔ اس سے دو بچے دی جوں کے مدرسوں کی تنخواہ کا کام کسی نہ کسی طرح چل جاتا ہے۔ ادر سرکاری امداد سے ایک اور ماسٹر کو کام چل جاتا ہے۔ صرف ایک آدمی کی تنخواہ گاڑوں اور آٹس پاس کے لوگوں سے چندہ کر کے جمع کی جاتی ہے۔ یہ چیز وصول کرنے کا کام بھی ماسٹروں ہی کے ذمے ہے۔ ادر دکاندار چار ماہ سے گھر گھر گھومنے پر اور ایک ایک آدمی کی طرف آٹھ آٹھ دس دس روپے لٹکانے پر بھی وہ سوا سات روپے سے زیادہ

دصول نہیں کر سکے۔

یہ سنکر ریش حیران ہو گئے۔ وہ سوچنے لگے۔ کہ پانچ چھ مھاؤں کے درمیان
یہی ایک سکول ہے۔ اور ان پانچ چھ لگاؤں میں چار مہینے تک گھومنے
پر دصول ہوئے ہیں۔ صرف سو سات روپے! ریش نے پوچھا: ”اکی تتخواہ
کتنی ہے؟“

ماسٹر صاحب نے کہا: ”رسید تو چھ بیس روپے کی دینی پڑتی ہے۔ لیکن لے
ہیں۔ صرف تیرہ روپے پندرہ آئے۔“

ریش کی سمجھ میں یہ پہیلی باطل نہیں آئی۔ اس نے وہ ماسٹر صاحب کا منہ
دیکھنے لگے۔ ماسٹر صاحب نے ان کے دلی جذبات کو سمجھ کر کہا: —

”مسٹر کاری حکم ہی ایسا ہے۔ اس لئے چھ بیس روپے کی رسید لکھ کر سکولوں
کے ڈپٹی انیکٹر صاحب کو دکھانی پڑتی ہے۔ ورنہ مسٹر کاری ادا دینا ہو جائے! یہ
تو سب جانتے ہیں۔ آپ کسی بھی طالب علم سے پوچھ کر معلوم کر سکتے ہیں کہ
میں جھوٹ نہیں کہتا۔“

ریش نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا: ”اس سے طالب علموں
کے سامنے آپ کی عزت و توقیر کم نہیں ہوتی؟“

ماسٹر صاحب نام نہ ہو کر بولے: ”کیا کریں ریش! ابو دینی بالو تو ہوتا ہی نہیں
پر راضی نہیں۔“

ریش نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے، وہی کرتا وھرتا ہیں۔“

ماسٹر صاحب کو ذرا سے مشکل تو ضرور ہوئی لیکن وہ ”نہیں“ تو کہہ ہی نہ سکتے

تھے۔ اس لئے انہوں نے آہستہ آہستہ بتا دیا کہ ”وہ سیکڑی تو ہیں۔
لیکن کبھی ایک پیسہ بھی اپنے پاس سے خرچ نہیں کرتے۔ ہاں

یاد کر بی کی لڑکی باہل لکشی ہیں۔ اگر ان کی عنایت نہ ہوتی تو سکول کبھی کا بند ہو گیا ہوتا۔ بیچلے تو انہوں نے امید دلائی تھی کہ وہ اس سال اپنے خسر ج سے چھڑا لیا دیں گی۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں یکا یک انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور سب امداد بند کر دی ۛ

رمیش نے اشتیاق سے رما کے متعلق اور بھی کئی سوال کئے۔ وہ آخر میں پوچھا "ان کا ایک بھائی بھی تو اس سکول میں پڑھتا ہے؟" "ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا: "جی نہیں نہ؟" "ہاں پڑھتا کیوں نہیں؟"

رمیش نے کہا: "اچھا اب آپ کے سکول کا وقت ہو گیا ہے تن آپ جاؤں گے کل میں آپ کے سکول میں آؤں گا؟"

"جو حکم!" کہہ کر ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر ایک بار ریش کو پر نام کیا۔ اور زبردستی ان کے قدموں کی خاک پیشانی سے نکال کر چل دیئے۔



(۶)

دشوتیشوری کی اس دن کی بات اسی جھگل کی آگ کے مانند اس پاس
 دس پانچ گھاؤں میں پھیل گئی تھی۔ دینی خود کسی کے منہ پر کڑی بات نہ کہہ سکتے
 تھے۔ اس لئے وہ جاکر مڑی کو بلا لائے تھے۔ سنئے نہیں کہ کسی زمانے میں کھمٹک
 ناگ نے اپنا دانت صحت کر پیل کا ایک بہت بڑا درخت جلا کر بالکل راکھ کر دیا۔
 تھا۔ یہ مڑی بھی اس دن صبح سویرے گھر آکر جو زہر اٹھل گئی۔ اس سے دشوتیشوری
 کا گشت پرست کا جسم خواہ اس لئے کہ وہ لکڑی کا نہ تھا۔ یا اس لئے کہ اس زمانے
 میں اور اس زمانے میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ جل کر راکھ نہیں ہوا۔ دشوتیشوری
 نے تمام تذلیل و تحقیر چپ چاپ برداشت کر لی۔ کیونکہ یہ بات ان سے پرشیدہ
 نہ تھی۔ کہ یہ سب کچھ ان کے بیٹے ہی کے ذریعے ہوا ہے۔ وہ سوچتی تھیں کہ اگر میں نے
 غصے میں آکر ایک بات کا بھی جواب دیا تو اس عورت کے منہ سے سب سے پہلے
 میرے لئے کسی ہی کی بات ظاہر ہو جائے گی اور شاید وہ ہمیش کے کاؤں تک بھی
 جا پہنچے اسی شرم کے مارے دشوتیشوری اتنی دیر تک بالکل کھاٹ کی پتی کے
 مانند بیٹھی رہیں۔

لیکن گھاؤں دیہات میں کڑی بات پرشیدہ نہیں رہتی۔ ہمیش لے بھی سن
 ل۔ اپنی مائی کے بارے میں شروع ہی سے ان کے دل میں ایک اشتیاق سا
 تھا۔ اور انہیں یہ شک بھی تھا کہ میرے باعث ماں بیٹے میں لڑائی جھگڑا بھی ضرور
 ہو گا۔ لیکن دینی باہر سے کسی کو اپنے گھر بلا کر اس سے اپنی ماں کی تحقیر و تذلیل کرائیں گے۔
 یہ بات انہیں بہت ہی اڑھکی اور دبیا بھر سے غزالی معلوم ہوئی اور اس کے بعد
 فوراً ان کے غصے کی آگ ان کے جسم کو راکھ کرنے لگی۔ سوچا کہ مجھے اسی وقت

اس گھر میں پہنچنا چاہئے۔ اور دلوں جو کچھ بڑی بھلی منہ میں آئیں۔ دینی کو سنا نا چاہیئے۔ کیونکہ جو آدمی اس طرح اپنی ماں کی بے عزتی کر سکتا ہے۔ اس کی بے عزتی کر سکتا وقت کسی بات کا خیال کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کے بعد ہی ضیال آیا۔ کہ یہ بٹیک نہیں آکر نکلا اس سے ٹائی بی کی اور تحفہ ہو گیا۔ اس دن دینو سے اور کمل ماسٹر صاحب کے متعلق کچھ باتیں سن کر اس کے لئے ان کے دل میں عقیدت کا کچھ جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب انہیں پورا یقین ہو گیا کہ اس چاروں طرف بھلی ہوئی جہالت اور تعصب میں ایک ٹائی جی کے دل کو چھوڑ کر باقی تمام گھاؤں تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ تو اس مگر جی کے گھر کی طرف رو گیا ہی انہوں نے روشنی کا نشان پایا تھا۔ پھر خواہ وہ نشان کتنا ہی معمولی اور ملوث ہو، اس نے ان کے دل میں بڑی مسرت ہوئی تھی۔ لیکن آج پھر اس واقعہ سے ترا کے متعلق ان کا دل نفرت و عناد سے بھر پور ہو گیا۔ ان کے دل میں اس کے متعلق ذرا بھی شک نہ رہا۔ کہ ان دونوں مریضوں اور بھائی نے مل کر دینی کا ساتھ دیا ہے اور ٹائی جی سے بے انصافی کی ہے۔ لیکن بہت کچھ سوچنے پر بھی ان کی کچھ پس پر نہ آیا کہ میں ان دونوں عورتوں کے خلاف یا خود دینو کو کس طرح اللہ کیا سزا دے سکوں گا۔

اسی دوران میں ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ کئی چاندیوں ابھی تک ایسی تھیں۔ جو کہ جی اور گھوٹالی مالکان میں تقسیم نہ ہوئی تھیں۔ آچار یوں کے گھر سے پھر پڑے۔ مگر وہ نہ ہی جوتا بٹیک تھا۔ وہ بھی اسی طرح مشترکہ تھا۔ کسی زمانے میں یہ بہت بڑا تھا۔ لیکن مریض اور بھائی نے ہونے کے باعث بھرتے بھرتے اب بہت چھوٹا سا رہ گیا تھا۔ اچھی چھپیاں نہ تو باہر سے لاکر چھوڑی جاتی تھیں اور نہ اس میں تھیں۔ آپ سے آپ جو ایک دوسرے کی

مچھلیاں پیدا ہوتی تھیں۔ وہی ہوتی تھیں، بھیرو دیا پختے پانپتے آہنیچے، بابو ہنڈی
منڈیا کئے پاس ہی گھر کے کاندھے کو پال سرکار بیٹھے ہی کھانا کھاتے رہتے تھے۔
بھیرو نے گھبرا کر کہا: "بہرکار ہاشے اپنے اپنے آدمی نہیں بھیجے۔ رکھو لکھلیاں
پکڑی جا رہی ہیں!"

سرکار نے فلم کمان میں ٹھونسے ہوئے سر اٹھا کر پوچھا: "کون پکڑا رہا
ہے؟"

بھیرو نے کہا: "اور کون پکڑ دے گا؟ دینی بابو کا لڑکھڑاہٹ، مگر جی کا
دربان بھی ہے۔ میں ابھی ابھی نکیتا آ رہا ہوں۔ صرف آپ ہی کے یہاں کا آدمی نہیں
جلد ہی کسی کو بھیجے!"

لیکن گریپال نے کسی اضطراب کا اظہار کئے بغیر کہا: "ہمارے بابو جی
مالس، پھلی نہیں کھاتے!"

بھیرو نے کہا: "وہ نہ کھائیں تو اس سے کیا ہوتا ہے! لیکن اپنا حصہ تو
لینا چاہیے!"

گریپال نے کہا: "ہم سب لڑکے تو چاہتے ہیں اور اگر بڑے بابو زندہ ہوتے
تو وہ بھی ضرور چاہتے۔ لیکن ہمیں بابو کچھ امدادی طرح کے آدمی ہیں!"

جب گریپال نے اس بات پر بھیرو کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے تو
ہنستے ہوئے اور انہیں ہنسی لیتے ہوئے کہا: "آچار یہ جی اہ، تو سٹری ہوئی سی

دو چار مچھلیوں کی بات ہے۔ دس دن مکان کی جنوبی سمت دلا دے جڑا اٹلی

کا پیڑ کاٹا گیا تھا۔ ان دونوں گھوڑوں نے اسے ایس میں بانٹ لیا اور ہم لوگوں

کو اس میں سے ایک چھلکا بھی نہ ملا۔ میں نے فوراً آکر بابو جی کو سب

باتیں بتائیں وہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ حرف ایک بار دہرایا سر اٹھا کر دیکھا۔

اور قدرے مسکرا کر پھر کتاب پڑھنے لگے۔ میں نے پوچھا بھی کہ سرکار کیا کرنا چاہئے
 لیکن ہمارے ریش بابو کر پھر ذرا سا سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملی جب میں
 نے کسی بار زور دیکر کہا۔ تو انہوں نے کتاب موڑ کر رکھ دی اور دیکر جا ہی نیکر
 کہا۔ لکڑی کے لئے کہتے ہو۔ کیا ہمارے پاس اعلیٰ کا اور کوئی پڑ نہیں؟ میں نے
 کہا۔ ہے کیوں نہیں؟ لیکن جو اپنا درجہ حصہ ہے، وہ کیوں چھوڑا جائے۔
 اور کون اس طرح اپنا حصہ چھوڑ دیتا ہے؟ ریش بابو نے کتاب کچھ دیر بھی موڑ
 کر رکھ دی اور تقریباً پانچ منٹ تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ یہ تو ٹھیک
 ہے۔ لیکن وہ چار معمولی لکڑیوں کے لئے حکم دیا نہیں کیا جاتا۔

پھر رونے انتہائی حیرت زدہ ہو کر کہا۔ ارے آپ یہ کیا کہہ رہے
 ہیں؟

گوپال سرکار نے مسکرا کر دوا سر ملاتے ہوئے کہا: آجادیہ جی! میں جو
 کچھ کہتا ہوں۔ سو فی صدی سچ کہتا ہوں۔ میں نے اسی دن سب سمجھ لیا
 اب کیوں فضول بار بار کہا جائے؟ اس چھوٹے گھر کی لکشی تو تاری
 گھوٹال کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔

پھر رونے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ لیکن وہ تالاب میرے
 گھر کے پھونڈے ہے اس لئے مجھے تو یہاں اطلاع دینا ہی
 چاہیئے۔

گوپال نے کہا۔ تو پھر جہاز اچھی بات ہے۔ آپ ہی جا کر انہیں
 دوا اطلاع دے دیجئے۔ دن رات کتابیں پڑھتے رہنے سے اور حصہ داروں
 سے اس طرح ڈرنے سے کہیں زمین جائیداد کی حفاظت نہیں
 ہے؟ گزشتہ صبح جی کی لڑکی تو عورت ہے۔ لیکن وہ بھی ان کی باتیں

سنگر منشی ہے۔ اس دن اس نے گوندنگولی کو بلا کر کچھ منشی اڑاتے ہوئے کہا تھا۔ آپ جاکر ریش پلو سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی ساری جائداد ہمارے ہاتھ سرپنا دیں الہم سے کچھ پیسہ ماہوار لے لیا کریں۔ بعد اس سے بڑھ کر شرم کی بات الہ کر سنی ہو سکتی ہے؟“
یہ کہہ کر گوپال سرکار غصے اور دکھ کے مارے منہ پھینکا کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

گھر میں کوئی عدت تو قی ہی نہیں۔ سب جگہ کھلا دوبار تھا۔ بھیرو نے مندر پہنچ کر دیکھا کہ ریش ساٹھ دے ہاتھ میں ایک ٹوٹی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ ہوئے ہیں۔ ریش کو ان کی ادائیگی فرض کے لئے ابھارتے ہوئے بھیرو نے دولت جائداد کی حفاظت کے منطلق ایک معمولی سی تہید باندھ کر جوہنی اصل بات بتائی۔ ریش بند دق کی گولی کھا کر سوئے ہوئے شیر کی طرح گرج کر بے ہوش کیا بعد بعد ہاوا ساتھ اسی طرح چالبازی ہوا کر گئی، بھجوا؟“

ان کا یہ غیر معمولی جوش و خروش دیکھ کر بھیرو گھبرا گئے۔ دلدہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ چالبازی کس کی ہے؛ بھجوار ضلع گورکھ پور کا رہنے والا ریش کا معتمد اور بے حد طاقت ور نوکر تھا۔ لاشی چلانے میں وہ ریش کی شاگرد تھا۔ بھجوار کے آتے ہی ریش نے اسے کڑا حکم سنایا کہ جا کر سب مچھلیاں حصین لاؤ۔ اور کوئی روکے تو اس کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے یہاں لے آؤ۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو حکم از کم اس کا ایک جہاز از ہر درہی تر آؤ۔“

بھجوا تو یہی چاہتا تھا۔ وہ اپنی تیل پلائی لاشی لانے کے لئے چپ چاپ الہ چھپا کیا۔ یہ دیکھ کر بھیرو خوف کے مارے کانپنے لگے۔ وہ ہنگال کے تیل پالی کے آدمی تھے۔ چنچ پکڑا ہوا ایک جھک سے تو بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ لیکن جب وہ ہنگال کو دیکھ کر کہے سے صرف ایک بار سر ہل کر چلا گیا تو فکر و خوف کے مارے

ان کا حلق خشک ہو گیا۔ انہیں یاد آ گیا کہ جو کتا بھوکتا نہیں۔ وہ ضرور کھاتا ہے۔ بھیرو حقیقت میں خیر اندیش تھے۔ اس لئے وہ جتنے آئے تھے۔ کہ اگر عین مرقع پر پہنچ کر کچھ تکرار اور چہ بیکار کی جائے گی تو کچھ چوٹی موٹی ٹھیلیاں گھر لائی جائیں گی۔ وہ خود ہی اس سلسلے میں مدد کرنے کی سوت کر آئے تھے۔ لیکن کہاں! کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ شمال گلوتج کے راستے گیا ہی نہیں۔ بس مالک نے ایک بار لٹکار دیا وہ نوکر نے زبان تک نہیں ہلائی۔ بیدھا لٹھی لینے چلا گیا۔ بھیرو کھڑے غریب آدمی۔ نوحداری میں پھنسنے کی ان میں بہت نہ تھی اور نہ خواہش ہی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بھو لاتھ میں ایک موٹی اور لمبی لٹھی لئے نکلا۔ پہلے تو اس نے وہ لٹھی لاتھ سے لٹائی اور پھر دوسری سے رمتیش کو منسکار کر کے چلنے لگا۔ بھیرو اچانک رونے لگے۔ اور رمتیش کے دلوں ہاتھ پکڑ کر بولے: ارے بھوڑک جادو ————— بھیا رمتیش! معاف کرو۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میری جان نہیں بچے گی۔

رمتیش نے چڑ کر اپنے ہاتھ چھڑا لئے ان کے تحریر کا ٹھکانہ نہ بنا۔ بھو لوٹ پڑا اور حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ بھیرو گریہ آؤ گئے سے کہنے لگے: بھیا یہ بات چھپی نہ رہی اگر دینی بابو مجھ سے بگڑ گئے تو پھر میرے لئے ایک دن زندہ رہنا بھی ناممکن نہیں ہو جائیگا۔ میرا گھر بار تک جلاوا لا جائے گا۔ اس وقت برہما اور دستو بھی آکر میری مدد نہ کر سکیں گے۔ ہمیشہ سرحد بیکار خمارش مٹیہ گئے۔ سرور سنگھ گہال سرکار سیٹھا ہی لکھاتے چھوڑ کر آ پہنچے۔ انہوں نے اہستہ سے کہا: ہاں بھیا جی۔ ہاں کا کہنا ٹھیک ہے۔

لیکن رمتیش نے ان کی بات نہ سنا کہ ان کی جواب نہ دیا۔ صرف ہاتھ سے انہوں نے بھو کو اپنے کام پر جانے کا اشارہ کر دیا اور خود چپ چاپ اندر چلے گئے۔ ان کے دل میں بھیرو اچانک کا یہ درد کا خوف اور درناں بھیرو کے ہزار اندھی کی طرح طرفان اٹھانے لگے۔

(۷)

”کیوں رہے یقین کھیل رہا ہے اسکول نہیں جائیگا؟“

”ہمارے یہاں آج اور کل دون کی چھٹی ہے بن!“

موسیٰ نے یہ سنا کر اپنا بگڑا سواٹھ اور بھی کھڑکھڑکایا۔ آگ لگے ایسے سکول میں

جہاں جینے میں پندرہ دن چھٹی مہر کرتی ہے۔ پھر بھی تم اس کے لئے اتنے روپے
خرچ کرتی ہو! میں ہوتی تو آگ کھا دیتی۔“

یہ کہہ کر موسیٰ اپنے کام سے چل گئی۔ جولوگ موسیٰ کو سولہ آنے دودھ پانہ د

اتہام طوا کہہ کر چاروں طرف اسے پھانسی کرتے پھرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں وہ

اس طرح کی ایک آدھ سچی بات بھی کہہ سکتی تھی۔ اور ضرورت پڑنے پر دوسروں سے

کہنے میں پیچھے ہٹنے والی نہ تھی۔ رات کے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس کھینچ لیا اور

آہستہ سے پوچھا: ”کیوں رہے یقین۔ کج کس بات کی چھٹی ہے؟“

یقین (جنتنور) اپنی بہن کے ساتھ آگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ”ہاں

سکول میں بیٹا جیتے ہو کھلا جا رہا ہے۔ اس کے بعد سفیدی بھی ہو گئی۔ نہ جانے کتنی کتابیں

آں ہیں۔ چار پانچ کرسیاں اور میز، ایک الماری اور ایک بہت بڑی گھڑی لگی ہے

بن، کسی دن تم بھی چلی کر دیکھو آؤ نا۔“

رات کے انتہائی حیران ہو کر کہا: ”رہے تو کیا کہہ رہا ہے؟“

جنتنور نے کہا: ”ماں بہن! میں بالکل ٹھیک کہتا ہوں۔ تمہیں باور آئے

ہیں نہ وہی یہ سب کہہ رہے ہیں؟“

اس سے آگے وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ کہ سامنے سے موسیٰ کھڑے

آئے دیکھ کر رات سے جلدی سے نکل کر اپنی گھر دی میں چلی گئی۔ اس نے اپنے

عبائی کو بڑے چار سے بٹھا کر اور اس سے سوال کر کے وقیفیل اور سکول کے ہاں
میں بہت سی باتیں معلوم کریں۔ یہ بھی سنا کہ وہ خود بھی روز آکر گھنٹے دو گھنٹے پڑھا جاتے
ہیں۔ پھر اچانک پوچھ بیٹھی: ”کیوں سینٹن اور تجھے پہچانتے ہیں؟“
”مجھے نے سر ہل کر کہا: ”ہاں“

”تو انہیں کیا کہہ کر پکارتا ہے؟“

اب جلدیگر کہ مشکل میں پڑ گیا ایکڑ کلا بھی تک اتنی بے تکلفی کا موقعہ یا حوصلہ
اسے نہ ہوا تھا۔ ان کے سکول میں آتے ہی قہر خم سیدہ ماسٹر صاحب بھی جس طرح
چُپ چاپ الگ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُسے دیکھ کر طلباء کے خوف اور
حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ پکارنا تو قدرے۔ کوئی ہمت کر کے اُن کے
منہ کی طرف دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ لیکن اپنی جبری بہن کے سامنے یہ تسلیم کرنا
بھی تو آسان نہ تھا۔ لڑکوں نے سنا تھا کہ سب ماسٹر انہیں چھوٹے بابو کہتے ہیں اس
لئے اس نے مقلدوں کر کے کہا: ”مہم سب انہیں چھوٹے بابو کہتے ہیں“

لیکن اس کے چہرے کے آثار دیکھ کر کوئی بات تو اسے پریشیدہ نہ رہی۔ اس
نے اپنے عبائی کو اور بھی اپنی گرد کی طرف گھنٹ کر جھپٹتے ہوئے کہا: ”چھوٹے بابو کس
پہنا رہے اور تیرے جیٹا ہوئے ہیں۔ جس طرح وہی بابو کو تو بڑے جیٹا
کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح انہیں چھوٹے جیٹا کہہ کر کیوں نہیں بلاتا؟“ بچہ حیرت
اور مسرت سے بے قرار ہو کر بولا: ”وہ ہمارے جیٹا ہوتے ہیں؟“ سچ کہتی ہو
ہیں؟“

”ہاں جیٹا ہی تو ہوتے ہیں“

یہ کہہ کر تو قادرے ہنسی۔ لیکن اب جتنہ کو رو کے رکھنا مشکل ہو گیا
وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ میں یہ خبر اپنے ساتھیوں تک پہنچا دوں

لیکن اسکول تو بند ہے، دو دن تک اسے جس طرح بھی ہو ضبط کرنا ہی پڑیگا۔ تاہم جوڑکے اس پاس رہتے ہیں، ان سب کو خبر دے بغیر کیسے رہے؟ اس نے پھر نکلنے کے لئے چھٹپٹا کر کہا: "تو اب جاؤں ہیں؟"

لیکن رمانے یہ کہہ کر اسے روک لیا کہ اس وقت تو کہاں جائیگا، اجنب جتناہ جاؤ سکا تو کچھ دیر تک ناخوش ہو کر منہ لبوڑے بیٹھا رہا۔ پھر پوچھا: "وہ اتنے دنوں تک کہاں تھے؟"

رمانے محبت آمیز لہجے میں کہا: "اتنے دنوں تک وہ پڑھنے کے لئے پردیس گئے مہرے تھے۔ بڑے ہو جاؤ گے تو نہیں بھی اسی طرح پڑھنے کے لئے پردیس جا کر رہنا پڑے گا۔ تم مجھے چھوڑ کر اکیلے پردیس میں رہ سکو گے نہیں؟"

یہ کہہ کر رمانے پھر اپنے بھائی کو کیلیجکھٹلے سے لگایا۔ سمجھ ہونے پر بھی اپنی بہن کی آواز میں ایک طرح کا تغیر محسوس کر کے وہ حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا لگیا۔ بات یہ تھی کہ رمانا اگرچہ اپنے بھائی کو جان سے بھی بڑھ کر چاہتی تھی۔ تاہم اس کی باتوں اور برتاؤ میں اس طرح کا جوش پہلے کبھی نہ ہوتا تھا۔

جنتانہ نے پوچھا: "کیوں بہن، چھوٹے بھائی کی ساری پڑھائی پوری ہو گئی؟" رمانے بھی اسی طرح محبت آمیز لہجے میں جواب دیا: "ہاں، وہ اپنی ساری تعلیم مکمل کر کے آئے ہیں۔"

جنتانہ نے پوچھا: "تم نے کیسے جانا؟"

جواب میں رمانے صرف ٹھنڈی سانس لیکر سر ہلادیا۔ دراصل اس سلسلے میں وہ یاگاؤں نما اور کوئی آدمی کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ یہ بات بھی نہ تھی کہ اس اندازہ باہل درست ہی ہو۔ لیکن پھر بھی کسی طرح اسے یقین نہ گیا تھا۔ کہ جو آدمی دوسروں کے لڑکوں کو پڑھانے لکھانے کے لئے اتنی چھوٹی عمر ہی میں

اتنی زیادہ مہارت و قابلیت رکھتا ہے۔ وہ خود کسی طرح کم پڑھا لکھا نہیں۔

لیکن جتنی دنے اس بارے میں کوئی جرح نہیں کی۔ اسی دوران میں اس کے دل میں ایک اور سوال پیدا ہوا اور اس نے جھٹ سے پوچھا: "کیوں ہیں بھوٹے بھیا؟" ہمارے بھیاں کہیں نہیں آتے؟ بڑے بھیا تو دوڑاتے ہیں؟"

یہ سوال ایک اچانک تیز دھڑکے مانند زمانے کے تمام جسم میں بجلی کی لہری طرح سرایت کر گیا پھر بھی اس نے نہیں لکھا: "تم انہیں اپنے گھر لاکر نہیں لاسکتے؟" تو ابھی چلا جاؤں ہیں؟" کہہ کر جتنی دن فوراً کھڑا ہو گیا۔

"ارے تو بھی زندہ پاگل ہی ہے۔" کہہ کر زمانے اپنے خوف سے لمبائی مارتے بھاگ کر اسے زور سے کھول لیا۔ اور یہ کہتے ہوئے پھر محبت سے اپنے سینے سے لٹکا لیا: "خیر درمیتن، کبھی ایسا کام نہ کرنا!"

جنتیہ اگرچہ ابھی بچہ ہی تھا۔ پھر بھی جب اس نے صلیف محمد میں کیا کہ ہیں بھیا علی دھڑک رہا ہے۔ تودہ انتہائی حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ایک تو اس نے بھی ہیں کو ایسا کرتے دیکھا نہ تھا۔ اس پیہ جان کر کہ چھوٹے بابو ہمارے چھوٹے بھیا ہیں۔ جب اس کے دل کی روانی کسی اور ہی طرف موٹ گئی تھی۔ تو اس کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح بھی نہ آئی کہ ہیں ان سے کیوں اتنا ڈرتی ہے۔ عین اسی وقت موسیٰ کی تیز و تند آواز کانوں میں پڑتے ہی جنتیہ کو چھوڑ کر رتا جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ غٹوڑی ہی دیر میں موسیٰ خود آکر دروازے پر کھڑی ہو گئی اور بولی: "میں تو سمجھتی تھی کہ رتا گھاٹ پر پہنانے گئی ہے۔ آج ایسا دشمنی ہے اس لئے اتنا دن چڑھ آئے پر بھی مایہ میں تیل نہیں پڑیگا؟ منہ سوکھ کر باہل سیاہ ہو گیا ہے؟"

زمانے کچھ زور لگا کر ہنستے ہوئے کہا: "موسیٰ تم جاؤ۔ میں ابھی جاتی ہوں"

”ادربک جاؤ گی، ہا ہا کر دو دیکھو مچلیاں کا حصہ تقسیم کرنے کے لئے دینی آیا ہے۔“
 مچلی کا نام سننے ہی جتنے مردوں سے بھاگتا۔ زمانے آپلی سے اس طرح اپنا
 منہ پوچھ لیا کہ موسیٰ کو کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ اور پھر وہ بھی پیچھے پیچھے چل کر ہا ہا پیٹتی۔ لیکن
 میں خوب سمجھا کہ برا بھلا۔ مچلیاں کچھ کم نہیں پکڑی گئی تھیں۔ ایک بڑا بڑا بھرا
 ہوا تھا۔ اس کے حصے بخرے کرنے کے لئے دینی بابو خود ہی آکر حاضر ہو گئے تھے محلہ کے
 لوگوں کے ساتھ اگر چادریں طرف سے گھیر کر شور مچا رہے تھے۔

اتنے میں کسی کے کھانسنے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد ہی دھرم داس لاطھی
 ٹپکتے اور یہ کہتے اپنے دستانے آج بہت مچلیاں پکڑی گئی ہیں۔
 دینی نے ناخوشی سے کہا: ”دیادہ کہاں پکڑی گئی ہیں!“ اور پھر چھیرے کو ہکا کر کہا۔
 اب دیر کیوں کر رہے۔ اجلدی سے دو حصے کر ڈال۔“

چھیرے حصے بنانے لگا۔ اتنے میں گوند سنگولی یہ کہتے ہوئے دلاں اپنے سے کیا ہو
 رہے تھے۔ اور کئی دن سے انہیں سوسا چاکہ چل کر ذرا بیٹی کی خیر خیریت پر چچا آؤں
 زمانے مسکرا کر کہا: ”آئیے۔“

سنگولی یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور آج اتنی بھیر کیوں لگی ہے؟ اور
 پھر چانک کر باجیرنا کا اظہار کرتے ہوئے بولے: ”اوہ ایہ بات ہے! مچلیاں تو کچھ کم
 نہیں پکڑی گئیں معلوم ہوتا ہے، بڑے تالاب میں جال ڈالا گیا تھا؟“

ان کے ان سوالات کا جواب دینا سب ہی نے فضول سمجھا اور وہ مچلیوں کی
 تقسیم میں مصروف رہے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ کام ختم ہو گیا۔ دینی نے اپنے حصے
 کی تقریباً سب مچلیاں نوکرے میں رکھوا کر نوکرے سر پر رکھوا دیں اور چھیرے کر
 ”کھکھ“ سے اشارہ کر کے دلاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔ لیکن زمانا تو اتنی زیادہ مچلیوں کی
 ضرورت نہ تھی۔ اس لئے اس کے حصے میں سے سب لوگوں نے اپنی اپنی

ضرورت و قابلیت کے مطابق مچھلیاں لے لیں اور وہ بھی چلنے لگے۔ اتنے میں سب لوگوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کر تیش گھوشال کا وہی لڑکا اپنے سر سے بھی اُدھکی لاٹھی ہاتھ میں لے آئمن کے وسط میں آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس آدمی کا چہرہ ہی ایسا خوفناک تھا کہ سب سے پہلے اسی پر نگاہ جا پڑتی۔ محاذوں کے چھوٹے بڑے سب لوگ اُسے پہچان گئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں آہستہ آہستہ کئی قسم کی عجیب و غریب باتیں پھیلانی شروع کر دی تھیں۔ اتنے لوگوں کے درمیان اس نے زمانہ ہی کو کیسے مانگن سمجھ کر پہچان لیا۔ یہ تو وہی جانے۔ لیکن اُس نے دور ہی سے ”ماں جی“ کہہ کر ایک لمبا سلام کیا۔ اور فریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا جیسوہ جیسا بھی ہو۔ آواز واقعی خوفناک۔ انتہائی بھاری اور پھٹی مٹی کی سی۔ اس نے بنگلہ ایئر مینڈن کی اس اختصار سے بتایا کہ میں ہمیشہ ہار کا لڑکوں اور مچھلیوں کے مین حصوں میں سے ایک حصہ لینے آیا ہوں۔ چاہے حیرت کے باعث ہو یا اس کی درخواست کے خلاف جواب سمجھ سمجھ میں نہ آنے کے باعث ہی ہو۔ مگر اب انکس کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ بھجوا نے حیرت سے گردن کھٹاکر دینی بابو کے نوکر سے سنلین بچے میں کہا: ”ابھی نہ جاننا۔“

لڑکوں کے بارے چار قدم لوٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر مہٹ تک کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر دینی بابو نے کچھ جرات کی۔ وہ جہاں کھڑے تھے وہیں سے بولے: ”کیسا حسد؟“

بھجوا نے فوراً ہی انہیں بھی سلام کر کے احترام سے کہا: ”بابو جی، میں نے آپ سے نہیں پوچھا۔“

مرسی نے بہت دور اعلان میں سے کہا: ”ارے بابا رے ماں تو کیا مارے

بھوڑ پہلے تو تھوڑی دیر تک مری کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس کے پیٹے
گلے کی مہنسی سے سارا مہمان گھونچ اٹھا۔ تھوڑی دیر بعد مہنسی مدک کر افساد ہو کر
اس نے پھر ماک طرف دیکھ کر کہا: "ماں جی!"

بھوڑ کی باتوں اور برتاؤ میں انتہائی ادب و احترام کے اندر بھی گویا طعنے اور رعب
پوستیہ تھا۔ یہی سوتھ کر تامل ہی دل میں چڑ گئی، پوچھا: "تمہارے باپ کو کیا چاہتے
ہیں؟"

رما کی ناراضگی دیکھ کر بھوڑ گویا کچھ متاثر ہو گیا۔ اس لئے اس نے جہاں تک ہو سکا
اپنے سخت بچے کو نرم کر کے اپنی درخواست دہرادی۔ لیکن اب کیا ہوتا تھا؟ مچھلیوں
کی تقسیم ہو چکی تھی اور وہ ٹھکانے بھی لٹک چکی تھیں۔ اتنے آدمیوں کے سامنے وہ
عاجزی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی ماس لئے اس نے متدلیجے میں کہا: "تمہارا
باپ کو اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جا کر ان سے کہہ دو کہ انہیں جو کچھ کرنا ہو کر لیں۔"

"بہت اچھا ماں جی!" کہہ کر بھوڑ نے پھر ایک لمبسا سلام کیا۔ دینی کے نوکر سے
ہاتھ کے اشارے سے چلے جانے کے لئے کہہ دیا اور بغیر کچھ کہے لئے خود بھی دہان
سے چلے نکلا۔ جس وقت اس کے اس سلوک سے گھر کے سب لوگ انتہائی حیران
ہو رہے تھے۔ وہ اچانک پھر لوٹ پڑا اور رما کی طرف دیکھ کر اس نے اپنی مہندی
اور ہنگامہ ملی جلی زبان میں اپنے تیز بچے کے لئے معافی مانگی اور کہا: "ماں جی! لوگوں
کی باتیں سن کر پہلے باپو جی نے مجھے تالاب پرستے مچھلیاں چھین لانے کا حکم دیا۔
تھا۔ ہمارے باپو جی مانس مچھلی چھوتے بھی نہیں اور میں بھی یہ سب کچھ نہیں کھانا
سکین۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "باپو جی کے حکم سے"

آج تالاب کے کنارے ہی شاید یہ جان چلی جاتی۔ لیکن رام جی نے بڑی
خیریت کردی کہ باپو جی کا غصہ سرد ہو گیا۔ انہوں نے مجھے بلا کر کہا۔ بھوڑ اچھا

ماں جی سے پوچھا کہ اس تالاب میں ہمارا بھی حصہ ہے یا نہیں؟
 اس کے بعد اس نے بہت ہی احترام سے لاطینی سمیت اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر
 پیشانی سے لگائے اور رما کو منسکار کرتے ہوئے کہا: بابو جی نے کہہ دیا کہ بھو، اہد کرنی چاہت
 ہو کہہ۔ لیکن میں جتنی طور پر جانتا ہوں کہ ماں جی کی زبان ان سے کبھی جھوٹی بات نہ نکلے گی
 وہ کبھی پرانی چیز نہ چھوڑیں گی۔

اتنا کہہ کر وہ دلی احترام سے بار بار منسکار کرتا ہوا چل دیا۔
 اس کے جاتے ہی دینی نے اچیل کو خدوئوں کی طرح ہار کیک اذان سے کہا: بس
 اسی طرح وہ اپنی دولت کی حفاظت کرے گا دینے تم لوگوں کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ
 آج سے تالاب کا ایک گھوڑا بھی اس کے ہاتھ نہ لگے دوں گا۔ سمجھ گھٹیں نہ رہا!۔
 اتنا کہہ کر دینی مسرت کے مارے پھول کر رہی ہی کر کے ہنسنے لگے۔ لیکن رما کے
 کانوں میں اس کا ایک بھی لفظ داخل نہ ہوا۔ بار بار اس کے کانوں میں بھو کے یہ الفاظ
 لاکھوں مالین کی تیز تڑدہٹ کے مانند گونج رہے تھے۔ کہ ماں جی کی زبان سے
 کبھی جھوٹی بات نہ نکلے گی۔ اس کا گورا گورا چہرہ لمحہ بھر کے لئے سرخ ہو کر اس کے
 بعد فوراً اتنا سفید ہو گیا کہ معلوم نہ تھا۔ اس میں کہیں ایک بڑا بھی خون نہیں گزرا
 کسی نگاہوں سے پچھنے کے لئے اس نے اپنے سر کا اچھل کچھ اور آگے کینچ لیا اور جلدی سے
 رماں سے چلی گئی۔

”تائی جی!“

”کون؟ رعیش! آؤ بیٹا! اندر چلے آؤ۔“

دشوتیشوری نے غلبی سے ایک چٹائی بچھادی۔ نگہ میں پیر رکھتے ہی رعیش چونک پڑے۔ کیونکہ تائی جی کے پاس جو عورت بیٹھی تھی۔ اس کا منہ اگرچہ نہیں کھائی نہ دیا۔ تاہم انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تمنا ہے۔ وہ حل اٹھے۔ کہ یہ لوگ مرسی کو پہنچا جس ذیل کر تبدیل و تحقیر کرنے میں بھی کمی نہیں کرتے اور اس طرح بے شرموں کی طرح تنہائی میں پاس آکر بھی بیٹھتے ہیں۔ اور رعیش کے اچانک آجانے سے تمنا بھی کچھ معمولی کھلیف میں نہیں پڑی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اس گھاؤں کی لڑکی تھی۔ رعیش کے ساتھ اس کا رشتہ ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ باہل اجنبیوں کی طرح گھونگھٹ تکلف نہیں بھی اسے شرم محسوس ہوتی تھی اور گھونگھٹ کے بغیر بھی وہ چین نہ پاتی تھی۔ اس کے علاوہ ابھی اس دن مچیلیوں کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تھا! اس لئے سب باتوں کا بچاؤ کرتے کرتے جہاں تک ہو سکتا تھا وہ مذہب منہ پھیر کر بیٹھی تھی رعیش نے پھر اس کی طرف نہیں دیکھا اور کوٹھڑی میں اور بھی کھڑی ہے۔ اس کی ذرا بھی پروا نہ کرتے ہوئے آرام سے چٹائی پر بیٹھ گئے کہا: ”تائی جی!“ ”تائی جی نے کہا: ”کیوں رعیش! اچانک اس مدہر کے وقت کیسے آ گئے۔“

رعیش نے کہا: ”اگر مدہر کو نہ آؤں تو پھر اور کسی وقت تمہارے پاس بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ تمہیں کام بھی تو کم نہیں رہتا!“

تائی جی اس بات کا جواب دینے کی بجائے صرف وزا منہ کر رہ گئیں۔ رعیش نے مسکراتے ہوئے کہا: ”بہت دن ہوئے جب میں بہت جھوٹا تھا تو اکیلا رہ کر تم

سے رخصت ہو کر چلا گیا تھا۔ آج پھر اُسی طرح رخصت ہونے آیا ہوں۔ اور تالی جی یہ شاید میری آخری رخصت ہو۔
 اگرچہ رقیش کے منہ پر کچھ مسکراہٹ تھی۔ پھر بھی ان کے لہجے سے ان کے غمزدہ دل کے ایک ایسے گہرے سوز و درد کا اظہار ہوا کہ دونوں ہی سٹھکے والیاں حیرت اور غم سے چونک اٹھیں۔

”تم جگ جگ جو بیٹا، یہ کیسی بات کہہ رہے ہو؟“ کہتے کہتے دستو لیشوری کی دونوں آنکھیں چمک اٹھیں۔ رقیش صرف مسکرا کر رہ گئے۔ دستو لیشوری نے محبت آمیز لہجے میں پوچھا: ”کیوں بیٹا، کیا یہاں صحت اچھی نہیں رہتی؟“

رقیش نے اپنے تو مندارہ مضبوط جسم کی طرف ایک دیدار دیکھ کر کہا: ”تائی جی یہ معنی، دال روٹی کا پلا ہوا جسم ہے۔ سبھا یہ کیا اتنی جلد خراب ہو سکتا ہے؟“ نہیں صحت تو بالکل اچھی ہے۔ لیکن اب یہاں مجھ سے دیکھ لحو بھی نہیں رہا جاتا۔ وہ رہ کر میرا دم سا گھٹنے لگتا ہے۔“

جب دستو لیشوری کو یہ معلوم ہو گیا کہ صحت اچھی ہے۔ طبیعت خراب نہیں تو انہوں نے اطمینان کی سانس لے کر کہنے ہوئے کہا: ”یہ تو تھادی جنم بھومی ہے۔“
 مہتار گھر سے پھر یہاں غم سے کیوں نہیں رہا جاتا؟“
 رقیش نے سر ہٹا کر کہا: ”یہ میں نہیں کہنا چاہتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ضرور سب کچھ جانتی ہو۔“

دستو لیشوری نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد ضمانت اختیار کر کے کہا: ”سب نہیں، تاہم بہت کچھ جانتی ہوں۔ لیکن رقیش اسی لئے تو کہتی ہوں کہ وہ کہیں جانے سے ہتار لایا نہ چلے گا۔“

رقیش نے کہا: ”کیوں تالی جی۔ کیوں نہ چلے گا؟ یہاں جے کوئی بھی تو نہیں

چاہتا۔

تائی جی نے کہا: کوئی چاہتا نہیں۔ اسی لئے تو میں بہتیں ہمیں بھاگنے نہ دیتی
ابھی جو تم اپنے وال روٹی پر پلے ہوئے جسم کی بڑھائی کر رہے تھے۔ وہ کیا یہاں سے
بھاگ جانے کے لئے ہے؟

ریش خاموش رہے۔ آج کیوں ان کا تمام دل اس محاذوں کے خلاف نفرت اور
غم و غصہ کی آگ سے جل رہا تھا؟ اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ محاذوں سے جو راستہ
سیدھا شیش کو جاتا تھا۔ وہ آٹھ دس برس پہلے ایک جگہ برساتی پانی کے بہاؤ سے ٹوٹ
گیا تھا۔ جب سے وہ گڑھا آہستہ آہستہ اور بھی بڑا اور گہرا ہوتا گیا۔ وہاں اکثر پانی جمع
ہو جاتا اور اسے پار کرنے میں سب لوگوں کو بڑی وقت اٹھانا پڑتی اتنی دنوں میں تو کسی
طرح سنبھال سنبھال کر پاؤں رکھتے تھے۔ بڑی احتیاط سے لوگ گزر بھی جاتے۔ لیکن
برسات میں تو تکلیف کی حد نہ رہتی۔ کسی کسی سال دو چار ماہس ڈال کر اور کسی سال
تالیس ماہس ڈال کر اندھا ڈال کر لوگ اس کی امداد سے جیسے جیسے گرتے پڑتے اندھا لفظ پیر
توڑتے ہوئے اس پار پہنچا کرتے۔ لیکن اتنی زیادہ تکلیف ہونے پر بھی آج تک محاذوں
والوں نے اسے ٹھیک کرنے کی کوشش نہ کی۔ مرمت کرنے میں کچھ روپیہ
پیسہ خرچ ہوتا۔ یہ دوپہر قبیل نے اپنے پاس سے دینے کے بجائے چھوڑ دینے
کی کوشش کی۔ سارا اس کے لئے آٹھ دس روپے تک دے دیا۔ وہاں بھی کسی
سے آٹھ دس پیسے بھی وصول نہ کر سکے۔ صرف یہی نہیں۔ آج صبح جب وہ
چل قدمی کر کے واپس آ رہے تھے۔ تو راستے میں ایک جگہ سڑک کی سطح کے اندر
کچھ آدمیوں کو اسی موضوع پر باتیں کرنے دیکھا۔ باہر کھڑے ہو کر ٹھنڈے پرموٹ ہو
کہ ایک آدمی کسی دوسرے سے کہتا تھا کہ: تم لوگ ایک چیمہ بھی نہ دینا
دیکھتے نہیں کہ انہیں خود ہی مرمت کی سب سے زیادہ غرض ہے۔ اگر تم لوگ

ہنیں دو گے زد کیا لینا۔ وہ خود ہی اپنے پاس سے مرمت کرا دیں گے۔ انہیں جوتا
 چھپاتے ہوئے چلنا ہے نا! اللہ پھر جب وہ اتنے دنوں تک یہاں نہ تھے۔ تو کیا ہم
 لوگوں کا سٹیشن آنا مانا بند تھا؟ اس پر ایک استاد می نے کہا: اسے صبر کرو۔
 سبائی! چیڑھی کہہ رہے تھے۔ کہ رمیش کی چٹھ پروردگار اللہ پیر کر ان سے سبیل
 جی کا مسئلہ ٹیک کر لیا جائیگا۔ بس جہاں ذرا سی ان کی خوشامد کی عدد انہیں بار۔ بار سہا۔
 بس سب کام بن گیا۔

یہی دنوں باتیں آج صبح سے رمیش کو لگ کی طرح جلد ہی تھیں۔ تانی جی نے
 بھی ٹیک اسی جگہ چوٹ پہنائی۔ مہنوں نے پوچھا: تم جو وہ سڑک ٹیک کر دنا چاہتے
 تھے۔ اس کا کیا مقام؟

رمیش نے چڑ کر کہا: اب وہ سڑک ٹیک نہ مہلگ۔ کوئی ایک پیسہ بھی
 چندہ نہ دیگا۔

دشوتھوری نے ہنس کر کہا: ہنیں دیگا۔ کہہ دینے سے کیسے کام چلے گا؟
 تمہیں اپنے بابو جی سے بہت سے روپے ملے ہیں۔ بیٹا۔ یہ نقد سے روپے تو
 تم خود بھی دے سکتے ہو۔

رمیش نے ایک دم آگ بگولہ سو کر کہا: میں کیوں دینے تھا؟ مجھے تو اسی بات
 کا بہت زیادہ دکھ ہو رہا ہے۔ کہ میں نے بہت سے روپے پیر سبے بوجھ ان لوگوں
 کے سکول کے لئے جہوں خرچ کر ڈالے۔ اس ٹکاؤں کے کسی آدمی کے لئے کچھ بھی نہیں
 کرنا چاہیے۔

پھر ایک بار راکھیاں طرف تر چھی نظر سے دیکھ کر کہا: ان لوگوں کو اگر دان دیا
 جائے تو یہ دینے والے کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی ان کی جلدائی کرے تو
 یہ لگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی غرض سے کرتا ہے۔ انہیں تو معاف کرنا۔

بھی مہا باپ (گنا و عظیم) ہے۔ سوچتے ہیں کہ کد کر تیجھے ہٹ گیا ۔
 تائی جی ہنڈھہ نکا کر ہنس پڑیں ، لیکن رما کی آنکھیں اور چہرہ اکیدم سیاہ پڑ گیا ۔
 ریشیش نے ناراض ہو کر پوچھا : کیوں تائی جی ۔ تم ہنسیں کیوں ؟
 تائی جی نے کہا : سہنسوں نہ اللہ کیا کروں بیٹا ؟ پھر ایک ٹھنڈی سانس نیکر لیں ۔
 لیکن میں تو کہوں گی کہ یہیں تمہارے رہنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ۔ ریشیش !
 اگر تم ناراض ہو کر اپنی جنم بھومی چھوڑ کر چلے جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں سے پوچھتی ہوں
 کہ کیا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ تم ان پر ناراض ہو ؟ پھر قدرے سہم کر وہ گویا آپ
 ہی آپ کہنے لگیں : ریشیش اگر تم چلتے ہوئے کہ یہ لوگ کتنے غریب اور کتنے کمزور
 ہیں تو ان پر غصہ کرتے نہیں خود ہی شرم محسوس ہوتی ، بیٹیا ، جب بھگوان نے کم
 کر کے تمہیں یہاں بھیج دیا ہے تو تم انہیں لوگوں میں رہو ؟
 ریشیش نے کہا : تائی جی یہ لوگ مجھے چاہتے جو نہیں !

تائی جی نے کہا : تو اتنے ہی سے کیا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ تمہارے
 غصہ کرنے اور روٹنے کے کتنے ناقابل ہیں ؟ اللہ پھر صرف یہیں کیوں تم جس
 گناؤں میں گھوم اور سب جگہ ایک ہی سا حال دکھو گے ۔ اس کے بعد انہوں
 نے اچانک رما کی طرف دیکھ کر کہا : اللہ کیوں بیٹی ! تم جب ہی سے اس طرح
 سر جھکائے کیوں بیٹھی ہو ؟ — کیوں ریشیش ، تم ننوں جہاں بن میں کیا بات
 چیت نہیں ہوتی ؟ — بیٹی ایسا نہ کرو اس کے باپ کے ساتھ تم لوگوں کا جو
 روائی جھگڑا تھا ۔ وہ ان کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ۔ اسے نیکاب تم لوگ آپس میں
 ناراضگی رکھتے تو کام نہ چلے گا ۔

زمانے سر نیچا کئے آہستہ سے کہا : تائی جی میں تو کچھ بھی ناراضگی نہیں رکھتا
 چاہتی ۔ ریشیش بیٹا — اچانک رما کی نرم و نازک آواز ریشیش کی عین و

لمبند آواز سے دہمٹی وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور بولے : "تائی جی، تم اس معاملے میں نہ پڑو۔ اس دن ان کی موتی کے ہاتھوں سے بڑی مشکل سے جان بچی تھی، تاج ہمیں یہ پھر جا کر انہیں بھیدیں تو وہ اگر نہیں چاہا کھائے بغیر گھر نہ لوٹیں گی۔"

اس کے بعد بغیر کسی تکرار اور جرح و معذرت کے وہ جلدی سے باہر نکل گئے وشنویشوری نے پکار کر کہا : "جاؤ نہیں، تمیش ذرا بات سنئے جاؤ۔"

تمیش نے معذرت کے اہر ہی سے کہا : "ہنیں تائی جی، جو لوگ غور و فکر کے بارے میں بھی پاؤں تلے روندتے جاتے ہیں۔ ان کی طرف سے تم کچھ بھی نہ کہو۔"

اتنا کہہ کر وشنویشوری کے دوبارہ اصرار کرنے سے پہلے ہی وہ واپس سے چلے گئے۔ رام مضطرب رہے تو راکھ ویر تک وشنویشوری کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر مد پڑی۔ اس نے کہا : "تائی جی، آخر یہ کتنک مجھ پر کیوں مودھا جا رہا ہے؟ کیا میں موتی کو سکھا دیتی ہوں یا ان کی باتوں کے لئے میں ذمہ دار ہوں؟"

"تائی جی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور محبت سے اپنے پاس کھینچ کر کہا : "یہ تو عجیب ہے کہ سکھا نہیں دیتی ہو۔ لیکن بیٹی موتی کی باتوں کے لئے تمہیں کچھ ذمہ دار تو ہونا ہی چاہیے۔"

رتا نے دوسرا ہاتھ سے اپنی آنکھیں پر پھینکتے پھینکتے : "تائی جی سے اختلاف کرتے ہوئے کہا : "میں کیوں ذمہ دار ہونے لگی؟ کبھی نہیں۔ تائی جی! میں تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ تو پھر وہ کیوں مجھ پر جھٹکا لازم لگا۔ کہ میری بے عزتی کر گئے۔"

وشنویشوری نے اس معاملے پر اور بحث مباحثہ نہیں کیا۔ اس سے

کہا۔ بیٹی اسب لوگ دل کا حال تو جان نہیں سکتے۔ لیکن یہ بات میں تمہیں یقین سے
 بتا سکتی ہوں کہ تنہا رہی بے عزتی کرنے کی خواہش اسے کبھی نہیں ہو سکتی۔ تم تو عاصی
 نہیں بیٹی! لیکن گویا اس سرکار کے منہ سے مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ تم پر کتنی زیادہ عقیدت
 اور اعتماد رکھتا ہے۔ اس دن اعلیٰ کا پیڑ کٹا کر جب تم دونوں نے آپس میں
 بانٹ لیا تو اس نے کسی کے بھی کہنے پر دھیان نہیں دیا کہ اس میں اس کا بھی حصہ تھا۔
 سب لوگوں کے سامنے اس نے ہنس کر کہہ دیا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ جب تک ناموجود
 ہے تو میرا دایب حصہ مجھے ضرور مل جائیگا۔ وہ کبھی پرانی چیز بھٹم نہ کرے گی۔ بیٹی! میں
 بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ اتنے بڑائی جھگڑے کے بعد بھی تم پر اس کا پلے ہی
 طرح اعتماد بنا ہوا ہے۔ اگر اس دن نالاب کی مچھلیاں — اتنا کہ کروٹویشوری اچانک
 ٹھک گئیں اور انہوں نے تھوڑی دیر تک ٹٹکی دنگا کر ڈالے سر کھٹے ہوئے چہرے
 کی طرف دیکھ کر کہا — بیٹی رہا! آج میں تم سے ایک بات کہتی ہوں۔
 زمین ہمارا کی حفاظت کی قیمت چاہے کتنی زیادہ کیوں نہ ہو۔ لیکن زمین کی
 جان کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس نے کسی کی باتوں میں اگر کسی بھی
 چیز کے لالچ میں پھنس کر چاروں طرف سے چوٹ پہنچا پہنچا کر بیٹی اسے ضائع نہ
 کر ڈالنا۔ میں تم سے یقینی طور پر کہتی ہوں کہ اس سے ملک کا جتنا نقصان ہوگا۔
 اس کی پھر اور کسی طرف سے تکمیل نہ ہو سکیگی۔

رما چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اس نے ایک ہی بات کا جواب نہ دیا۔ وٹویشوری بھی
 خاموش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر سے بعد زمانے نے نازک پہنچا کہ تائی جی بہت
 دیر ہو گئی سب میں گھر جاتی ہوں۔

یہ کہہ کر تائی جی کو پرنام کر کے وہ وہاں سے چلی گئی۔

تائی جی کے گھر سے ریش خواہ کتنا ہی نامرض ہو کر کیوں نہ چلے آئے ہوں ،
 لیکن گھر پہنچتے پہنچتے ان کا تمام غصہ کا زور ہو گیا ۔ وہ رہ رہ کر اپنے دل میں سوچنے
 لگے ۔ یہ سب یہی سی بات نہ سمجھنے کے باعث میں کتنی تکلیف اٹھا رہا تھا ۔ حقیقت
 میں غصہ کس پر کروں ؟ جو اتنی زیادہ غربت کے باعث خود غرضی پر مجبور ہیں ۔ کہ
 انہیں کھول کر یہ بھی نہیں دیکھ سکتے ۔ کہ ہماری حقیقی بہتری کس بات میں ہے تعلیم
 کی کمی کے باعث اتنے اندھے میں کہ اپنے پڑوسیوں کی طاقت پر باد کرنے ہی
 کو اپنی طاقت کے استعمال کا صحیح طریقہ سمجھتے ہیں ۔ بھلائی کرتے دیکھ کر سنگ و شبہ سے
 بھر دیا ، اٹھتے ہیں مان لوگوں پر غصہ کرنے یا چڑھنے سے کیا حاصل ؟ انہیں یاد
 یا کر دیہات سے بہت دور شہر میں رہ کر ، کتنا ہیں پڑھ کر ان لوگوں سے من کر اور تعلیمات
 قائم کر کے میں نے نہ جانے کتنی بار سوچا ہے ۔ کہ ہماری ہنگامی جاتی کے پاس چاہے اللہ کچھ
 بھی نہ ہو ، لیکن ہنگاموں سے دور تنہائی میں آباد گاؤں کا وہ سکون اللہ پاکیزگی تو ہے ۔
 جو ہنگامہ پرور شہر میں نہیں ۔ بہت سے تھوڑے میں مطمئن رہنے والے یہ گاؤں کے
 باشندے ہمدردی سے گھٹھل جاتے ہیں ۔ ایک آدمی پر معصیت آئی ہے ۔ تو دوسرا اس
 کے سامنے سینہ تان دیتا ہے ۔ اور اگر ایک آدمی ماحت و آرام میں ہوتا ہے ۔ تو دوسرا
 اس کے بہاؤ بن بلائے ہی جا کر خوشگماں منائے لگتا ہے ۔ صرف دیہی اور انہیں سب
 لوگوں میں ہنگاموں کی صحیح شان و عظمت موجود ہے ۔ لیکن آہ ۔ یہ میری کتنی بڑی غلط
 فہمی تھی ۔ آپس میں اچھی زیادہ بحثیں اور محافضیں اور دوسرے سے حد کا اتنا زیادہ
 جذبہ توجہ شہر میں بھی دکھائی نہیں دیا ۔ آج اس بات کو یاد کر کے گویا ریش
 کے جسم پر بڑھلا ساپا رنگیلے محسوس ہونے لگے ۔ جب بھی کہیں انہوں نے

شہریت کے دامن پر گناہ کا درغ دکھیا تو انہوں نے یہی سوچا کہ اگر میں کسی طرح اپنی
 جنم بھومی والے چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ جاؤں تو یہ سب مناظر دیکھنے سے ہمیشہ
 کے لئے بچ جاؤں۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہاں دنیا میں جو سب سے بڑا ہے اور دھرم
 ہے۔۔۔ اور شوشل کردار بھی آج وہیں مجسم ہو کر پوجا جانے لگا ہے لیکن اس
 جگہ وہاں کہاں ہے وہ کر دار؟ اس کہاں ہے وہ جینا جاگتا دھرم ہمارے اس قدیم
 صحاؤں میں؟ اور اگر تم نے دھرم کی روح ہی سلب کر لی ہے۔ تو پھر اس کی بھان
 لاش کیوں اس طرح ڈال رکھی ہے؟ دھرم کے اسی بگڑے اور مٹے ہوئے لاشے کو اس
 بدست دیہاتی سانچے نے حقیقی دھرم سمجھ کر مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ اس اسی کی رہنمائی وہ
 بار بار پھسلن پر دن رات پھیلتا ہوا یہ تنزل کی طرف بڑھتا جا رہا ہے اور سب سے
 زیادہ دل پر چوٹ پہنچانے والی ستم ظریفی کی بات تو یہ ہے کہ شہریوں کے متعلق یہ بزرگ
 یہ سمجھ کر دل میں حد سے زیادہ نفرت اور بدگمانی کا جذبہ رکھتے ہیں کہ ان میں دھرم
 باقی نہیں رہا!

ریشی نے اپنے گھر کے اندر قدم رکھتے ہی دیکھا کہ صحن میں ایک طرف جو ایک
 ادھیڑ عمر عورت گیارہ بارہ برس کے ایک لڑکے کے ساتھ سکڑی مٹھی مٹھی اور اٹھ کر
 کھڑی ہو گئی بغیر کوئی بات جانے صرف اس لڑکے کا چہرہ دیکھ ہی ریشی کے دل
 سے گریہ کے بادل اٹھنے لگے۔ گویا اس سرکار چند ہی منڈپ والے متاثرے ہیں
 ۔ میٹھے کچھ لکھ پڑھ سہے تھے۔ انہوں نے نہ کر کہا یہ یہ دکھشن پاڑے (محلے کا نام) کے
 دودھا پنڈت گاڑا کا ہے۔ آپ کے پاس کچھ بھیک مانگتے آئے ہیں؟
 بھیک کا نام سننے ہی ریشی نے جی کر کہا: کیا میں صرف بھیک دینے کے
 لئے ہی گھر آیا ہوں؟ کیا انہوں میں درد لوگ نہیں؟
 گویا اس سرکار نے کچھ حیرن ہو کر کہا: ہاں بابو جی، یہ بات تو عجیب ہے۔

لیکن بڑے بابو جی کے وقت یہاں سے کوئی حالی ملا دیکھ نہیں ملتا تھا۔ اسی لئے
 سنا چاری کی حالت میں یہاں دوڑے آتے ہیں۔ پھر لڑکے کی طرف دیکھ کر
 اُدھیر عورت سے کہا: کامنی کی ماں۔ ان لوگوں کا تصور بھی تو کچھ کم نہیں جب
 بیٹا تھا تو ان لوگوں نے اس کا پرالشیخت نہیں کر دیا اور اب جب وہ مردہ نہیں
 رہا ہے تو دپے کے لئے دوڑتے پھر رہے ہیں کیا ان کے گھر میں بھالی اور
 نہیں؟

کامنی کی ماں ذات کی سادگوب نفی اور اس لڑکے کی شرمس اس نے سر ہلا کر
 دیکھا۔ لیکن نہ ہر تو خود چل کر دیکھو۔ اگر گھر میں کچھ بھی ہوتا تو کیا میں اس کے
 باپ کو گھر میں چھوڑ کر اسے بھیک مانگنے کے لئے لاتی؟ تم نے آنکھوں سے
 دیکھا۔ مگر نہ تو سب ہے میرے پاس جو کچھ بھی تھا۔ ان چھ مہینوں میں
 لوگوں کے لئے خرچ کر ڈالا ہے سوچتی تھی کہ میں پڑوس میں زمین کے پٹے
 کے بغیر بھوکے نہ مر جائیں!

اب گویا رمیل اس محلے میں بہت سی باتوں کا اندازہ کر کے۔ گریپال سرکار
 جاتے ہوئے کہا یہ اس لڑکے کے باپ درکار کا چکر دیتی چھ مہینے سے دے کے
 کے مارے چار پائی پر پڑے تھے۔ آج صبح وہ مر گئے۔ ان کا پرالشیخت
 ہوا تھا۔ اس لئے کوئی دن کی لاش نہیں چھو سکا چاہتا۔ اس وقت پرالشیخت کرنا
 وہی ہے۔ کامنی کی ماں چھ مہینے سے اس فریب برہمن خاندان کی امداد کرتی آ
 ہے اور اسی میں وہ اپنا سب کچھ نکال چکی ہے۔ اب اس کے پاس بھی کچھ نہیں
 رہا ہے وہ اس لڑکے کو لے کر آپ کے پاس آئی ہے۔
 میں نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا: اب تو دیکھ رہے ہیں
 شیخت نہ ہر تو کیا مردہ پڑا ہی رہ گیا؟

سب دھرم و کسی اور میں سے کیا دل کو پرالشیخت کرنے کا رواج ہے۔ (مترجم)

سرکار نے ہنس کر کہا : بابو جی اور چارہ ہی کیا ہے ! شاسٹر کے خلاف تو کام
مہر ہی نہیں سکتا اور پھر اس میں گھاؤں کے لوگوں ہی کو الزام دیا جاسکتا ہے جو بھی ہو
مردہ پڑا نہیں رہیگا جس طرح ہونے ان لوگوں کو کام کرنا ہی پڑیگا۔ اسی لئے
تو جیک ۔ ہاں کامنی کی ماں اور کہیں بھی گئی تھیں ؟

لا کے لے مٹھی کھول کر ایک چوٹی ادھیار پیسے دکھا دیئے۔ کامنی کی ماں نے
کہا : چوٹی تو مگر بچے کے پہاں سے ملی ہے۔ اور چار پیسے ہالدار نے دیئے ہیں لیکن
تو چوٹی سے کم تو کام میں ہی نہیں سکتا۔ اس لئے بابو جی اگر ۔
رمیش نے غلہ دی سکتا : اچھا ، تم لوگ گھر جاؤ۔ اب اور کہیں جاؤ تو ضرورت
ہیں ہیں ابھی سب انتظام کر کے آدمی بھیجنا ہوں ۔

ان لوگوں کو رخصت کر کے رمیش نے گوپال سرکار کے منہ کی طرف بہت ہی
مضطرب نگاہ سے دیکھ کر پوچھا : آپ جانتے ہیں کہ اس گھاؤں میں اس طرح
کے اور کتنے غریب گھر ہیں ؟

گوپال نے کہا : وہی تین گھر ہیں ، زیادہ نہیں۔ ان لوگوں کے پہاں بھی مچانے
پہننے کی کمی نہ تھی۔ لیکن ایک پیڑ کے معاملے میں دو اور کا چکر درتی اور سائن باجرا
میں خوب مقدمہ بازی ہوئی۔ جس میں پانچ برس ہوئے ، دونوں ہی گھر تباہ ہو گئے۔
اس کے بعد انہوں نے آواز نرم کر کے کہا : بابو جی ، یہاں تک ذہن نہ آتی۔ لیکن
ہمارے بڑے بابو اور گووند گنگولی نے دونوں آدمیوں کو شہہ دے دیکر یہ
حالت کرادی ۔

رمیش نے کہا : اس کے بعد ہمارے بڑے بابو کے پہاں ہی دونوں آدمیوں
کے پاس جو کچھ تھا۔ سب دہن ہو گیا۔ ابھی پر سال انہوں نے اہل اور سود سب
ملکر ان کا جو کچھ تھا۔ سب خرید لیا۔ لیکن آفرین ہے اس بیچاری کامنی کو

اس نے ایسی مصیبت کے وقت اس برہمن کی جلداد کی وہ سمجھیں دیکھنے میں نہیں آتی۔

رمیش ایک ٹھنڈی ہانڈی کر خاموش ہو گئے۔ ٹھنڈی دیر بعد انہوں نے گرنالی سرکار کو دہاں کا سب بندوبست کرنے بھیج دیا اور دل ہی دل میں کہا — ”تائی جی آپ کا حکم ہی میں سبر دھیم بجاتا ہوں۔ اگر یہاں مری جی جاؤں تو چھا۔ لیکن اس بدقسمت گاؤں کو چھوڑ کر اب کہیں نہیں جاؤں گا۔“

(۱۰)

تقریباً تین ماہ بعد ایک دن صبح کے وقت اتار کی شوری کے اس تالاب کی سرسبزیاں پر جسے لودھ ساگر کہتے ہیں ریش کا ایک عورت سے آسا سامنا ہو گیا۔ ٹھنڈی پڑ کے لئے وہ ایسے مہوت سے رہ گئے۔ اس کے کھلے چہرے کی طرف ایسے غیر مہذبانہ طریق سے ٹٹکی باز دھڑکھڑے دیکھتے رہے کہ انہیں یہ خیال ہی نہ رہا کہ جیسے راستہ چھوڑ کر ہٹ جانا چاہیئے۔ اس عورت کی عمر غالباً بیس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ اشنان کر کے ادھر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ کا پانی سے بھر ہوا گھڑا زمین پر رکھ کر گیلی دھوتی کے نیچے دونوں ہاتھ چاتی کے اوپر سمیٹ کر سر جھکا کر زم دنازک آواز سے پوچھا — ”آپ یہاں کیسے؟“ ریش کی حیرت کی حد نہ رہی لیکن انکا اضطراب اب دور ہو گیا۔ ایک طرف ہٹ کر انہوں نے پوچھا — ”کیا آپ مجھے پہچانتی ہیں؟“ دس عورت نے کہا — ”ہاں پہچانتی ہوں۔ آپ یہاں کب آئے؟“ ریش نے کہا — ”آج ہی صبح میرے ماموں کے گھر سے عورتوں کے آنے کی بات تھی۔ لیکن وہ آئیں نہیں۔“

عورت نے پوچھا یہاں کہاں ٹھہرے ہیں؟
 رعیش نے کہا یہ کہیں نہیں ہیں پہلے کہیں یہاں نہیں آیا۔ لیکن آج ایک
 دن تو جیسے بھی مردان کے انتظار میں کہیں رہنا ہی پڑ دیکھا۔ اور اس کے لئے کہیں نہ
 کہیں جگہ ڈھونڈ ہی رہی تھی۔
 ”ذکر تو ساتھ ہے نہ؟“

”ہنیں میں اکیلا ہی ہوں۔“

”اچھی بات ہے بلکہ جیسے ہی اس عورت نے منہ کر سرائیا۔ پھر دونوں کی
 آنکھیں چار موٹئیں۔ لیکن اس عورت نے پھر آنکھیں جھپکالیں اور دل میں کچھ
 اوجڑا کر کے آکر کہا: ”اچھا تو پھر آپ میرے ساتھ آئیے۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنا گھڑا اٹھالیا۔ اللہ چلے کو تیار ہو گئی۔ رعیش شش و پنج
 میں پڑ گئی، بولے: ”میں چل تو سکتا ہوں، کیونکہ اگر اس میں ہرج مہرج تو آپ مجھے چلنے
 کے لئے ہی نہ کہتیں، اور یہ بات بھی نہیں کہ میں آپ کو پچاسا نہ ہوں۔ جین پھر بھی مجھے
 یاد نہیں آتا کہ آپ کون ہیں، آپ اپنا تعارف کرا دیجئے۔“

”اچھا تو اب معذرتی دیر یہیں ٹھہریں۔ میں پوچھا کروں۔ راستے میں چلتے چلتے
 اپنا تعارف کروں گی۔“

یہ کہہ کر وہ مندر کی طرف چل گئی۔ رعیش متوکل طرح اسے دیکھ رہ گئے وہ
 سوچنے لگے کہ کیسا عجیب و پرہیزگار و شباب اس کی فلم آواز و صوتی کو چید کر باہر نکالنا
 چاہتا تھا؟ اس کا چہرہ جسمانی لڑائی، اور رفتار کا انداز سب کچھ رعیش کے لئے
 مانا پچا تھا۔ لیکن ان کی یہ دے کو کر ڈاؤن بہت دنوں سے بندھے۔ وہ کسی طرح
 کھلتے ہی نہ تھے۔ تقریباً نصف گھنٹے کے بعد جب وہ لاچار کر کے ہار تائی۔ تو
 رعیش نے پھر ایک بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ لیکن اب بھی وہ پہلے ہی کی

طرح لحاف کی حدود سے باہر رہے۔ راستے میں چلتے وقت رعیش نے پوچھا کیا آپ کے ساتھ آپ کا کوئی رشتہ دار نہیں؟

عورت نے جواب دیا لا نہیں۔ داسی ہے وہ گھر پر کام کر رہی ہے۔ میں اکثر یہاں آیا کرتی ہوں یہاں سب کچھ سیرا جانا بیچا جاتا ہے۔

رعیش نے پوچھا یہ کیلن آپ جے اپنے ساتھ کیوں لے جا رہی ہیں؟
کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد اس نے کہا اس نے گلاب کو کھانے پینے کی بہت تکلیف دہی تھی۔ میں سنا ہوں

رتائے سامنے بیٹھ کر رعیش کو کھانا کھلایا۔ پھر ان کے آرام کے لئے اپنے ہاتھ سے ایک دری کھینچ کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ رعیش اس دری پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ انہیں خیال آیا کہ میری یہ شیش برس کی زندگی اس ایک ہی لئے میں بیکدم بد گئی ہے۔ لڑکپن سے اب تک کی تمام زندگی انہوں نے پردیس میں دوسرے کے سہارے گزار دی تھی۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ کھانے پینے کے سوا بھوک مٹانے کی اور بھی کوئی بات کسی بھی حالت میں مہر سکتی ہے۔ اسی لئے آج کی اس اچانک تسکین سے ان کا دل حیرت اور شغیرنی میں ڈوب گیا۔ سنا یہاں ان کے کھانے پینے کے لئے کچھ بھی فراہم نہ کر سکی تھی۔ بہت ہی معمولی چیزیں اس نے ان کے سامنے رکھی تھیں۔ اس لئے اسے بڑی فکر تھی کہ میں ایسا نہ ہو کہ ان کا پیٹ نہ بھرے اور غیر کے سامنے میری بے عزتی ہو۔ یہ پیٹ نہ بھرنے کی فکر اس کی کتنی ذرا ساختہ تھی۔ آج شرم و جیا کی دھکادٹا اسے رعیش سے دوسرے رکھ سکی۔ کھانے کی یہ تخیلی کمی صرف کوشش ہی سے پوری کرنے کے لئے وہ ان کے سامنے جا کر بیٹھی۔ کھانے کے بخیر و خوبی ختم ہو جانے پر گہری تسکین کا جو سانس رہا کے سینے کی گہرائیوں سے نکلا۔

وہ خود رمیش کے سانس سے کھٹکتا بڑھ کر تھا۔ یہ بات واہ اور کسی کو معلوم نہ ہوئی ہو۔ لیکن جو سب کچھ جانتا ہے جو عالم الیب ہے، اس سے تو چھپی نہ رہی۔

رمیش کو دن کے وقت سونے کی عادت نہ تھی۔ ان کے سامنے جو چھوٹی سی کھڑکی تھی اس کے باہر ادوسے ادوسے بالوں دوپیر کے آسمان پر پھیل گئے تھے۔ نیم والی آنکھوں سے وہ ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی جو رشتہ دار عورتیں آنے والی تھیں۔ ان کے آنے یا نہ آنے کا انہیں اس وقت خیال ہی نہ تھا۔ اچانک رما کی نرم و نازکے داذان کے کانوں میں پڑی۔ وہ دروازے کے باہر کھڑی ہو کر کہہ رہی تھی۔

”آج جب آپ کو گھر نہیں جانا تو پھر یہیں کیوں نہ رہیں؟“
رمیش علدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور بولے: ”لیکن جن سما یہ مکان ہے۔
انہیں تو ابھی تک دیکھ ہی نہیں سکا۔ جیسا کہ وہ نہ کہیں اس کیسے رہ سکتا ہوں؟“
رمانے کو یہی کھڑے کھڑے جواب دیا۔ ”رہی غصہ کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ یہ مکان میرا ہی ہے۔“

رمیش نے حیران ہو کر پوچھا: ”یہاں مکان کیوں لے لکھا ہے؟“
”یہ جگہ مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔“ رمانے نے کہا۔ ”میں اکثر آیا کرتی ہوں۔
اگرچہ آج کل یہاں کوئی نہیں ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہاں پاؤں پھیلانے کی بھی جگہ نہیں رہ جاتی۔“

رمیش نے کہا: ”تو ایسے رقت نہ آیا کرو۔“
رمانا مسکرا کر خاموش رہ گئی۔

”میرا خیال ہے کہ تارک ناخدا بابا پر ہتھاری پڑی بھگتی ہے۔ ان سے تم بڑی عقیدت رکھتی ہو۔ نہ؟“

”بھلا مجھ سے ایسی بھگتی کہاں ہو سکتی ہے! لیکن جب تک زندگی ہے کوشش

تو کرنی چاہیے۔

رمیش نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ رتنا وہیں چوکھٹ سے لگ کر بیٹھ گئی اور دوسری بات چیر دی۔ پوچھا: رات کو آپ کیا کھاتے ہیں؟

رمیش نے ہنستے ہوئے جواب دیا: جو کچھ مل جاتا ہے۔ کھا لیتا ہوں۔ کھانے پر بیٹھنے سے لمحہ بھر پہلے تک بھی کھانے کے بارے میں کوئی خیال نہیں کرتا۔ اپنے باورچی کی ہوشیاری اور سمجھ پر ہی مجھے مطمئن رہنا پڑتا ہے۔

رتنا نے پوچھا: آخر اتنی بے پروائی اور بے دلی کیوں؟

رمیش کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس میں چھپی ہوئی طعنے ہیں یا رتنا نے فطری ہنسی مذاق سے کہا ہے۔ بہنوں نے انحصار سے کہا: نہیں۔ یہ حرف کاہلی ہے۔

رتنا نے کہا: لیکن دوسروں کے کام میں تو آپ کو کبھی کاہلی سے کام لیتے نہیں دیکھتی؟

رمیش نے کہا: اس کی وجہ ہے! دوسروں کے کام میں سستی کی جائے تو اس کے لئے جھگڑان کے سامنے جواب دینا پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے کام میں بھی جواب دہی لازماً ہو، لیکن یقیناً اتنی نہ ہوگی؟

رتنا نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا: آپ کے پاس روپیہ ہے۔ اسی لئے آپ دوسروں کے کاموں میں دل لگا سکتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے پاس نہیں؟

رمیش نے کہا: رتنا میں ان لوگوں کی بات نہیں جانتا کیونکہ روپے ہونے کی بھی کوئی دیں نہیں اور دل لگانے کا بھی کوئی مقررہ ناپ تول نہیں ہونے ہونے نہ ہونے کا حساب بھی وہی جانتے ہیں۔ جہنم نے اس دنیا اور ہر لوگ دونوں جہاں کا روجھ لے رکھا ہے۔

رتنا نے پھر رتنا سے خاموش رہنے کے بعد کہا: لیکن ابھی آپ کی وہ عمر تو آئی۔

ہی نہیں جس میں دوسرے جہاں کی فکر کی جاتی ہے۔ آپ مجھ سے صرف متن ہی پرس تو بڑے ہیں!

رمیش نے ہنس کر کہا: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری عمر تو اور بھی ابھی دوسری دنیا کی فکر کرنے کے قابل نہیں ہوئی۔ بلکہ ان ایسا ہی کریں مگر دیر تک زندہ رہو۔ لیکن اپنے بارے میں آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ آج کا روز ہی میرا آخری دن نہیں ہے۔

رمیش کی اس بات میں جو چھپا ہوا جملہ تھا وہ شاید دیکھا نہیں گیا بلکہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھے رہنے کے بعد پوچھا: کپ کو سندھیالو جا کرتے تو دیکھا نہیں۔ مندر میں کیلے کیا نہیں ایہ نہ دیکھا تو نہ سہی۔ لیکن کھانے کے لئے بیٹھے وقت کیا البتہ کام نام لینا بھی بھول گئے؟

رمیش نے دل ہی دل میں ہنس کر کہا: بھولا تو نہیں لیکن سمجھتا ہوں کہ اگر بھول بھی جاؤں تو کوئی ہرج نہیں لیکن آخر یہ کیوں پوچھتی ہو؟

زمانے کا یہاں آپ کو پر لوک کی زیادہ فکر ہے نہ اس لئے پوچھتی ہوں۔
رمیش نے اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر اس کے بعد کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے پھر زمانے آہستہ آہستہ کہا: دیکھو، مجھے لمبی عمر کی دعا دینا۔ میرے لئے بد دعا کے برابر ہے۔

مجھے زندگی کی دعا دینے والے تری ساوگی پر مہنی آ رہی ہے
میں مندروں کے گھروں میں کبھی کسی پرہ کے لئے اس کا قریبی دیر تک بیٹھے
کی دعا نہیں کرتا۔

تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر پھر بولی: یہ بات تو سچ نہیں کہ میں مرنے کے لئے بالکل پیر بڑھنے لکھی ہوں۔ لیکن زیادہ دنوں تک زندہ رہنے کا خیال

آنے سے بھی مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن پاپ کے بارے میں تو یہ بات ہے نہیں۔
 آپ سے زبردستی کہ کوئی بات کہنا تو میرے لئے ڈھٹائی ہے۔ لیکن دنیا میں قدم رکھنے
 کے بعد جب دوسروں کے لئے مغز بچھی کرنا خود آپ ہی کو لاکھین معلوم ہوا تو آپ میری یہ
 بات یاد کیجئے ٹھیکاً۔

اس کے جواب میں رمیش نے ایک لمبا سانس چھوڑا بخوفی و دیر بعد انہوں نے رہا
 ہی کی طرح آہستہ آہستہ کہا۔ لیکن میں تم سے، خوب یاد کر کے کہتا ہوں کہ اس
 وقت تو یہ بات مجھے کسی طرح بھی یاد نہیں آتی۔ مگر میں تو تیار کوئی نہیں ہوں
 بلکہ تمہارے رستے کا نشانہ ہوں۔ پھر بھی ایک پڑوسی ہوئے کی حیثیت سے آخر تم نے
 میری جتنی خاطر تواضع کی ہے۔ اتنی خاطر جو لگ اپنے رشتہ داروں سے روز پاسہ میں
 میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے دکھ اور تکلیف کو دیکھ کر پاگل ہو کر دوڑ پڑے ہو گئے
 ابھی میں تنہا بیٹھا ہی سوچ رہا تھا کہ تم نے میری ساری زندگی ایک ہی لمحے میں مٹا دیا
 آؤنگ بھاری آؤنگ کسی نے کچھ اس طرح کھانپنے کے نہیں کہا۔ کچھ کسی نے آج تک مجھے اتنی عزت اور امن و محبت
 سے کھلایا تو آج پہلی مرتبہ مجھے تنہا یہ پاس آکر یہ یوم ہو کہ کھانے میں بھی اتنی لذت اتنی راحت ہے۔

یہ بات سن کر رہا کا جسم سنسنی سے ہلکا رہا لہذا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ہی سنبھل
 کر کہا۔ یہ لیکن اسے بھولنے آپ کو زیادہ دن نہ لگیں گے۔ اور پھر کبھی یاد بھی آئیگا تو بہت
 ہی معمولی طبع ہے!

رمیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ رہا نے کہا۔ گھر جا کر آپ برائی نہ کریں تو میں اسے
 ہی اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔

رمیش نے پھر ایک ٹھنڈا سانس لے کر آہستہ آہستہ کہا۔ نہیں رہا برائی نہیں کرونگا
 اور تحریف بھی نہ کرتا پھروں گا۔ میرا آج کا دل تحقیر و تعریف دونوں کے
 احاطے سے باہر ہے۔

دینی باورے دلی سخت پیرہ لگا رکھا ہے۔ یہ سب لڑکے آج صبح ہی سے ان کے یہاں دھرمنا لہ چائے بیٹھے تھے۔ ابھی ابھی دلی سے اٹھ کر روتے ہوئے یہاں آئے۔ میں ریشمیش نے اور کچھ سننے کی کوشش نہ کی۔ مادہ صلبی سے اٹھ کر چلائے۔ جب وہ دینی کے یہاں پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ دینی باورے ایک تکیے کے سہارے بیٹھے تھیا کو پی رہے تھے۔ ان کے پاس ہی ہالدار بیٹھے تھے۔ شاید اسی بارے میں بات چیت ہو رہی تھی۔

ریشمیش نے کوئی مہتیرا بندے بغیر کہا: "تالاب کا بند روک رکھنے سے تو اب کام نہیں چلے گا۔ اسی وقت اسے توڑ دینا چاہیے۔"

دینی نے حق ہالدار کے ہاتھ میں دیدیا اور سر اٹھا کر پوچھا: "تو سنا بند؟" ریشمیش جوش میں آکر تو اسے ہی تھے۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر کہا: "بڑے بھیا۔" تالاب کے بند اور کتنے ہیں؟ وہ بند اگر نہ کھا جاتا تو سارا دھان مٹ جاتا۔ آپ پانی نکال دینے کی اجازت دے دیجئے۔"

دینی نے کہا: "مہتیرا یہ بھی خبر ہے کہ اس پانی کے ساتھ ہی دو تین سو روپے کی مچھلیاں بھی نکل جائیں گی؟ کسان دیکھتے یا تم؟"

ریشمیش نے غصے کو روک کر کہا: "کسان بچارے غریب ہیں، وہ تو اسے ہی نہیں سکتے۔ رہ گیا ہیں، لو میں کیوں دوں؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

دینی نے جواب دیا: "تو پھر میری سمجھ میں بھی یہ نہیں آتا کہ ان میں ہی اتنا نقصان کیوں کروں؟" اس کے بعد انہوں نے ہالدار کی طرف دیکھ کر کہا: "چار برس اسی طرح ہمارے بھائی زمینداری کی حفاظت کر چکے، ریشمیش وہ حرام زادے آج صبح ہی سے یہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ میں سب جانتا ہوں۔ کیا اعتبار ہے یہاں کوئی دربان نہ تھا؟ یا اس کے پیروں میں چھڑکے کھا جوتے نہ تھا۔"

جاؤ گھر جاگلاس کا انتظام کرو۔ پانی خود ہی مہل جائیگا :

ویننی بالو یہ کہہ کر اور لدار کے ساتھ مل کر یہی کہہ کر اپنے اس مذاق پر خود ہی ہنسنے لگے۔ رمیش سے اب برداشت نہ ہو سکا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو روک کر نرم لہجے میں کہا : بڑے بھتیجا آپ ذرا اچھی طرح غور کریں مگر ہم بتیڈن گھر اپنے دوسروں کے کالفتان پچائیگے۔ تو ان غریبوں کا سال بھر کا اناج مارا جائے گا۔ اور اس طرح ان کا پانی سات ہزار روپے کا نقصان ہو جائیگا :

ویننی نے ماتھے پر ہاتھ رکھا : ہو گا تو ہوا کرے خواہ ان کا پانیخ ہزار کا نقصان ہو یا پاس ہزار کا۔ میاں سارا صبر کھودنے سے بھی زود پیسہ نکلیں گے۔ پھر میں ان پر محاشوں کے لئے دوسروں کے کالفتان کروں ؟ :

رمیش نے آخری کوشش کرتے ہوئے کہا : آخر یہ لوگ سال بھر کھا بیٹھے کیا ؟ :

رمیش نے گویا یہ بہت بڑی ہنسی کی بات کی ہو اس طرح ویننی بالو نے لکبار ادھر ادھر ایک بار ادھر مل جل کر، سر ہلا کر، مہن کر مٹھو کر، آخر میں کہا : کھائیں گے کیا ؟ دیکھو لینا سب سلسلے ہمارے ہی پاس اپنی زمین زمین رکھ کر روپے اور ہمارے لینے کے لئے دوڑے آئیں گے۔ بھائی زدا اپنا دماغ ٹھنڈا کر کے کام کر۔ بڑے بونڈے اسی طرح تو جڑ بٹور کر یہ ایک آدھ جھوٹا مکڑا ہم لوگوں کے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ یہی ہم لوگوں کو بڑھا کر، سنبھال کر، کھانی کر، پھر اپنے بال بچوں کے لئے چھوڑ جانا ہو گا۔ پوچھتے ہو وہ کھائیں گے کیا ؟ کھائیں گے ادھار لے کر منہ نہ سلسلے چھوڑ جاتی کے کیوں کہلاتے ؟ :

نفرت، اشرم اور غم و غصہ کے مارے رمیش کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے لہجے کو بڑے سکون رکھ کر کہا : جب

اپنے عظیم ہی کر رہا ہے مگر ان لوگوں کے لئے کچھ بھی نہیں کریں گے۔ تو پھر یہاں کھڑے
رک کر بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں اب رہا کے پاس جاتا ہوں مگر وہاں انٹیشن
تو پھر اکیلے اکیلے نہ ماننے سے کچھ نہ ہو گا۔

دینی کے چہرے پر سنجیدگی آگئی۔ انہوں نے کہا: اچھی بات ہے۔ جا کر دیکھو
لو۔ اس کی داس کے مجھ سے مختلف نہیں۔ بھائی۔ وہ معمولی لوگ نہیں۔ اسے زیب دینا
آسان نہیں۔ اور تم تو ابھی اس کے موہ۔ تمہارے باپ تک کو اس نے ہاتھوں
پچے جو اگر چھوڑا تھا۔ گیندی چا چا۔

چچا کے اتفاق و اختلاف سے ہمیشہ کو کوئی تعلق نہ تھا۔ اور دینی نے اس انتہائی
حقیر و بیخبر بات کا جواب دینے کو بھی ان کا جی نہ چاہا۔ وہ جواب دے بغیر ہی باہر
نکل گئے۔

زمانے ٹکسی کے پردے کے آگے دیا جلا کر اور پر نام کر کے سر اٹھایا ہی تھا۔ کہ
حیرت کے مارے مستند رہ گئی۔ ٹھیک سامنے ہمیشہ کھڑے تھے۔ وہ اپنے سر کا
نخل اپنے گلے میں پیٹے ہوئے تھی۔ البتہ معلوم ہوا کہ اس نے ابھی ہمیشہ ہی کو
مذہم کر کے مراٹھا یا مہاس دنت ہمیشہ کو چوٹ و غضب کے باعث یہ یاد نہ رہ گیا تھا
کہ وہ موسیٰ نے یہاں آنے سے منع کر دیا تھا۔ اسی لئے وہ سیدھے اندر آ پہنچے تھے۔ اور
اگر اس وقت میں دیکھ کر چپ چاپ کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ دونوں کی تقریباً ایک
فٹ کے بعد۔ تاوت ہوئی تھی۔

ہمیشہ فرما: یقیناً تم سب باتیں سن چکی ہو گی۔ میں بند کاپانی باہر نکال دینے
کے تہائی منظور دیکھ لینے آیا ہوں۔

اب رہا کی حیرت نہ رہ گئی۔ اس نے سر پر نخل کھینچ کر کہا: بھلا یہ کیسے ہو گا
چر بڑے بھائی دے رہے ہیں۔

”جانتا ہوں، نہیں ہے۔ لیکن اکیلے ان کے لئے نہ ہونے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔
 زمانے کچھ دیر تک سنتا کر کہا: ”یہ تو ٹھیک ہے کہ ہندو پانی نکال دینا چاہیے
 لیکن مچھلیوں کو مدد رکھنے کا کیا طریقہ ہوگا؟“

رمیش نے کہا: ”ستے پانی میں کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اس سال ردیوں کا جو
 نقصان ہوگا۔ وہ ہم لوگوں کو برداشت کرنا چاہیگا۔ ورنہ سارا کاٹاں مارا جائیگا۔“

رما خاموش رہی۔ ریش نے پھر کہا: ”تو پھر تم مقلد ہی دیتی ہو نہ؟“
 زمانے جیسے لہجے میں جواب دیا: ”نہیں ہیں اسے ردیوں کا نقصان نہیں کر سکیں گی۔“
 ریش حیرت کے مارے پاگل سے ہو کر رہ گئے، انہیں کبھی ایسے جواب کی امید نہ تھی۔
 بلکہ نہ جانے کس طرح ان کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی۔ کہ میرے اصرار پر رما
 کسی طرح انکار نہ کر سکے گی۔ شاید رما نے سناٹھائے بغیر ہی ریش کے دل کی
 حالت احساس کر لیا۔ اس نے کہا: ”اس کے علاوہ ایہ تمام جائداد میرے بھائی کی ہے۔
 میں تو صرف نگدان دھر پرست ہوں۔“

ریش نے کہا: ”نہیں اس میں آدھا حصہ تہا بھی ہے۔“
 رما نے کہا: ”صرف برائے نام بابو جی بخوبی جانتے تھے کہ یہ میری جائداد کا کار
 جند رہی کر لے گی۔ اسی لئے وہ ادھی جائداد میرے نام لکھ گئے ہیں۔“

پھر بھی ریش نے درخواست کے پہلے میں کہا: ”تو کیا یہ لکھتے روپے ہیں؟ اس
 طرف تہا رہی حالت سب لوگوں سے اچھی شمار ہوتی ہے۔ تہا رے لئے نقصان
 کوئی نقصان ہی نہیں۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں رما اس کے لئے تم اتنے
 لوگوں کو فاقوں نہ مارو۔ میں تم سے بالکل ٹھیک کہتا ہوں کہ میں نے خواب میں بھی
 یہ نہیں سوچا تھا کہ تم اتنی بے مہر اور سنگدل ہو سکتی ہو۔“

رما نے اسی طرح نرم دناؤ کا انداز سے جواب دیا: ”اپنا نقصان نہیں کر سکتی۔“

اس لئے اگر میں سنگدل ہوں تو سنگدل ہی رہی۔ اکیلا گرتا ہی رہتا ہے تو خود ہی وہ نقصان پورا کر دیتے نہ؟ اس کے اس میٹھے اور نازک لہجے میں مذاق کا احساس کر کے رمیش جل اٹھے اور بولے: "آدمی کھڑا ہے کہ نہیں یہ روپے کا معاملہ آنے پر ہی بچا نہ جاتا ہے، یہاں گھٹ نہیں چلتا، خالی باتیں نہیں چلتیں اس لئے یہاں انسان کی حقیقی شکل و صورت پہچانی جاتی ہے۔ آج ہتھاری بھی وہی شکل و صورت ظاہر ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ یہاں سب سے یہی سوچنا آیا ہوں۔ کہ تم اس کی نسبت بلند بہت بلند ہو۔ لیکن تم وہ نہیں ہو۔ تمہیں سنگدل کہنا بھی بھول ہے۔ تم بہت ہی بیچ ہو، بہت ہی چھوٹی ہو۔"

انتہائی حیرت سے آنکھیں بھاڑ کر دیکھنے لگا: "میں کیا ہوں؟" رمیش نے کہا: "تم انتہائی بیچ اور ذلیل ہو۔ میں کتنا زیادہ مضطرب ہوا تھا ہوں یہ تم نے جان لیا ہے۔ اسی لئے تم نے مجھ سے نقصان پورا کرنے کے لئے کہا۔ بڑے بھیا بھی اپنے منہ سے یہ بات نہیں کہہ سکے۔ جو بات مرد مہونے پر بھی ان کے منہ سے نہ نکل سکی۔ عورت ہونے پر بھی اس کے کہنے میں ہمتیں جواب معلوم نہ ہوا۔ میں اس سے بھی کہیں زیادہ نقصان پورا کر سکتا ہوں۔ لیکن آج میں ایک بات تم سے کہے جاتا ہوں۔ دنیا میں جتنے پاپ ہیں۔ ان سب سے بڑے کربا پ انسان کی سہار دی پر ظلم کر رہے۔ آج تم نے وہی کر کے مجھ سے روپے بھول کرنے کی کوشش کی ہے۔" رتا پاگلوں کی طرح آنکھیں بھاڑے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے منہ سے ایک بات بھی نہ نکلی۔ رمیش نے پھر اسی طرح پُر سکون لیکن سخت لہجے میں کہا: "یہ شک ہے کہ تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ میری کمزوری کس جگہ ہے۔ تم میری کمزور دگ کو جانتی ہو۔ لیکن میں کہے جاتا ہوں۔ کہ اس جگہ چٹکی لینے سے اب ایک ہند بھی دس ہند پانچ سرگ۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں یہ بھی بتائے جاتا ہوں کہ میں کیا

کردی گا۔ میں ابھی جا کر زبردستی بندہ توڑ دوں گا۔ تم لوگوں سے ہوسکے تو دیکھنے کی کوشش کرو کیو۔

رمیش کو یہ کہہ کر چلے جاتے دیکھ کر رمانے پکاوا اور جب آواز سن کر وہ پاس آکھڑے ہوئے (کہا: میرے ہی گھر میں کھڑے ہو کر آپ نے میری جو اتنی بے عزتی کی۔ اس کا میں کوئی جواب نہیں دینا چاہتی۔ لیکن آپ یہ کام کسی طرح بھی کرنے کی کوشش نہ کریں۔

رمیش نے پوچھا: کیوں؟
 رمانے کہا: کیونکہ آپ کے اتنی مستحقر کرنے پر بھی میں آپ سے جھگڑا نہیں کرونا چاہتی۔

یہ کہتے وقت رمانے کے چہرے کا رنگ کیسا غیر قدرتی طور پر زرد پڑ گیا اور بات کہتے کہتے کس طرح اس کے مونٹ کا پیٹلے۔ یہ ریش نے شام کی تاریکی کے باوجود دیکھ لیا۔ لیکن اس وقت ریش کے پاس نہ تو نفسیات پر تنقید کرنے کا موقع تھا۔ اور نہ ایسا کرنے کی ان کی خواہش ہی تھی۔ اس لئے انہوں نے فوراً جواب دیا: (روانی جھگڑا میں بھی نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اب میرے نزدیک تمہارے ان نیک جذبات کی کوئی قیمت ہی نہیں رہ گئی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ اب انہام رفیعہ کی عزت ہی نہیں ہیں جانا ہوں۔

موسیٰ اوپر ٹھاکر جی دانی کو ٹھہری میں بٹھی۔ اس لئے اسے ان صبا باتوں کا پتا نہ چلا نیچے اگر اس نے دیکھا کہ رمانے اپنے ساتھ خادمہ کو لے کر باہر جا رہی ہے۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

۔۔۔ رمانے اس کیچڑ پانی میں رات کے وقت کہاں جا رہی ہو؟
 رمانے کہا: موسیٰ! ذرا بڑے بھتیجے کے یہاں جا رہی ہوں۔

ۛۛۛۛۛۛۛ

خادمہ نے کہا: "موسیٰ، اب تو راستے میں کچھ رکھیں نام بھی نہیں بچوٹے ہالوں ایسا
اچھا راستہ بنوایا ہے مگر اگر کسی پیرہن پر پڑے تو اٹھا لیا جائے۔ بھگوان انہیں یہی
عمر دیں۔ سامنے سے غریب دکھوں کی جان بچائی۔"

اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بج گئے تھے۔ دینی کے چند منڈپ سے
بہت سے لوگوں کے دیکھنے کے لئے آواز آ رہی تھی۔ تھان سے داخل بہت کچھ چٹ گئے
تھے۔ اندر لودھی کی چاندنی آکر برآمدے میں پڑ رہی تھی۔ دیس ملک کھجے کے سہاگے
ایک خوشگام عورت کا ادھیڑ عمر مسلمان آنکھیں بند رکھے بیٹھا تھا۔ اس کے سارے
منہ پر تازہ خون جھام تھا۔ جسم کے کپڑے بھی خون سے تر تھے۔ لیکن وہ خاموش تھا۔ دینی
بہت ہی اصرار سے کہہ رہے تھے: "اگر میری بات مانو۔ بھگوان نے چلو۔ اگر میں سات
برس کے بچے سے چلی نہ بھڑادوں تو گھوٹال خاندان کا خزانہ نہیں۔ پھر نیچے دیکھ کر بولا۔
"ما ایک بار تم بھی کہو نا، خاموش کیوں ہو؟"

لیکن تباہی سے ہی بھاگنے کی سیلی کی طرح بیٹھی رہی۔ اب کبر علی آنکھیں کھول کر
ذرائع کر بیٹھ گیا اور بولا: "شبابش ضرور چھوٹے ہالوں نے اپنی ماں کا رودھ پیا ہے۔ لاشی
چلانا خوب جانتے ہیں۔"

"دینی نے کچھ کھیر کر اور کچھ غنیمت گھر کر کہا۔ کبر علی بات کہنے کے لئے تو میں نہیں
سمجھا رہا ہوں۔ کس کی لاشی کی چوٹ سے تم زخمی ہوئے۔ اس نوٹس کی لاشی سے
یا اس کے کوئی لاشی ہے؟"

کبر کے ہونٹوں پر کچھ مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا: "اس ٹھکانے کو کر کے لاشی
سے؟ ہالے ہالے لاشی چلانا کیا جانے؟ کیوں گوہر، ہتھالی تو پہلی ہی چوٹ
سے درہ بیٹھ گیا تھا نا؟"

اکبر کے دونوں لڑکے تھوڑی دودھ بالکل سمٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ بھی زخمی مہینے
 تھے۔ گو تہ نے صرف سر ہلا کر عامی بھری منہ سے کچھ نہیں کہا۔ اکبر نے نگاہ اکر میر
 ہاتھ کی چوٹ بیٹھنی تو وہ سالار زندہ نہ بچتا۔ وہ تو گو تہ ہی کی لالچی سے باپ سے
 باپ اکبر کے بیٹھ گیا بڑے بالوں۔

رہا اٹھ کر ان لوگوں کے پاس آکھڑی مہدی۔ اکبر ان لوگوں کے پیروں گھاؤں کی بنایا
 تھا۔ پچھلے دنوں لالچی کے زور سے ان لوگوں کا بہت سی بار بار پر قبضہ کر دیا تھا۔
 اسی لئے آج شام کے بعد غصے اور بچے عزتی کی آگ سے جل رہی کر رہا تھا۔ اُسے
 ملو بھیجا تھا اور بند پر پیرا دینے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس نے ایک بار اچھی طرح دیکھ
 لیا چاہا تھا کہ ریش اس لٹھ باز، نوکر کے بل پر کیا کر سکتے ہیں، لیکن اس نے خوب
 میں بھی یہ خیال نہ کیا تھا کہ وہ خود اتنے زبردست ٹھیکے ہیں۔

اکبر نے رما کی طرف دیکھ کر کہا: "مالکن! اس وقت چھوٹے بابو نے اس سائے کی
 لالچی اٹھالی اور وہ خود جا کر بند کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ ہم تینوں باپ بیٹے مل
 کر بھی انہیں دہان سے نہ ہٹا سکتے۔ اندھیرے میں ان کی آنکھیں چھینے کی طرح چمکنے
 لگیں۔ مہدیوں نے کہا: — اکبر تم بڑے اچھے آدمی ہو۔ ہٹ جاؤ۔ اگر بند نہ بچنا گیا۔
 تو سارے گاؤں کے آدمی بھوکوں مر جائیں گے۔ اس لئے وہ ضرور کھانا جائے گا۔
 اپنے گاؤں میں تم لوگوں کی بھی زمین ہے۔ اب تم سمجھ دیکھو کہ اگر تمہارا سب کچھ
 برباد ہو جائے تو تمہیں کیسا معلوم ہوگا؟ میں نے سلام کر کے کہا: — چھوٹے بابو! اللہ
 کی قسم! تم ایک بار سامنے سے ہٹ جاؤ۔ تمہاری آڑ میں کھڑے ہو کر منہ پر کپڑا لپیٹ
 کر یہ جو لوگ دھوا دھوکا مل چلا رہے ہیں۔ میں ان کا سر توڑ دوں۔"

دینی اپنا غصہ نہ سن بھال سکنے کے باعث درمیان ہی میں چلا کر لڑے۔ "بے
 ایمان! سالانہ سے سلام بچا لا کر آیا ہے۔ اور یہاں شیخی بگیا رہی ہے!"

تینوں باپ بیٹوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھائے۔ اکبر نے بھڑائی ہوئی دوز میں کہا۔

”خبردار بڑے بالوبے ایمان نہ کہنا۔ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتے!“

اس کے بعد اکبر نے اپنے ہاتھ سے سر کا کچھ خون پونچھ کر اور سما کی طرف دیکھ کر کہا: ”الکھن ایہ بے ایمان کہتے ہیں اڑے بالو یہاں گھر میں بیٹھے ہوئے بے ایمان کہتے ہیں جی۔ اگر وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ چھوٹے بالو کیا چیز ہیں۔ تو اپنی بالوں میں جگا ڈر کر کہا: تو تھلنے چل کر یہی بتاؤ کہ چھوٹے بالو کیا چیز ہیں۔ میں سمجھ دینا کہ ہم بند پر پیرہ دے رہے تھے، چھوٹے بالو چڑھ آئے اور میں مارا!“

اکبر نے زبان دانتوں تلے دبا کر کہا: ”توبہ۔ توبہ! بڑے بالو۔ آپ دن کو رات بتانے کے لئے کہتے ہیں؟“

دینی نے کہا: ”اچھا تو پھر کوئی بات کہہ دینا۔ آج جا کر پہلے اپنے زخم تو دکھاؤ۔ کل دارنٹ نکلا کر اسے حوالات میں بند کر دوں گا۔ تو ما، ذرا تم بھی اسے اچھی طرح سمجھاؤ۔ ایسا اچھا موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا!“

رتانے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف ایک بار اکبر کے منہ کی طرف دیکھ کر رہ گئی مگر اکبر نے سر ہلا کر کہا۔

”نہیں، الکھن! مجھ سے یہ نہ مرگا!“

”دینی نے دھمکا کر کہا: ”سوچو گا کیوں نہیں؟“

اب کی اکبر نے بھی چلا کر کہا: ”بڑے بالو! آپ بھی کیا کہتے ہیں! کیا مجھے شرم حیا نہیں؟ مجھے چار کادوں کے آدمی کیا ”سردار“ نہیں کہتے؟، الکھن، اگر آپ کا حکم ہو تو میں مجرم بن کر جیل کاٹ سکتا ہوں۔ لیکن فریادی کس منہ سے

ہن کر جاؤں ؟

رمانے نرم بچے میں صرف ایک بار پوچھا تو کیوں اکبر مختلف نہیں جاسکتے ؟
اکبر نے زبردستی سر ہٹا کر کہا : نہیں ، لیکن ، اور سب کچھ کر سکتا ہوں ، لیکن صدمہ
نہیں جا کر اپنے بدن کے زخم نہیں دکھا سکتا ۔ اٹھو کہ ہر جگہ گھر چلیں ہم لوگوں سے
ناشن فریاد نہ ہو سکے گی ۔

یہ کہہ کر وہ سب لوگ اٹھنے کی تیاری کرنے لگے ۔ تبی غضب امیر مایوسی سے
ان لوگوں کی طرف دیکھ کر آنکھوں سے آگ برساتے ہوئے دل ہی دل میں نکالی گالوب
کرنے لگے ۔ اور دماغ کی مسلسل خاموشی کا کچھ بھی مطلب نہ سمجھ سکتے کے باعث آگ میں
جلنے لگے ۔ جب ہر طرح کی عاجزی ، منت ، خوشامد ، ڈانٹ ، ڈیٹ اور غصے وغیرہ کو
ٹھکرا کر اکبر علی اپنے لڑکوں کو لے کر چلا گیا ۔ اس وقت تاک کے دل کو حیدر کا ہلکا
سانس نکل پڑا اور بے وجہ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بہا آئے ۔ وہ اتنی بڑی تحقیر ،
اتنی بڑی بے عزتی ، اتنی بڑی شکست اور ایسی ناکامی ہونے پر بھی اسے ایسا
محکوم ہونے لگا کہ اس کے دل پر سے ایک ہیبت بھاری سماٹ گیا ہے ۔ لیکن
ایسا کیوں ہوا اس کی وجہ وہ کسی طرح نہ سمجھ سکی ۔ ساری رات اُسے ہنیدہ مائی
اس دن اس نے تاریکیوں میں سامنے بیٹھ کر ہمیشہ کو جو کھانا کھلایا تھا ۔ اس کا منظر
اس کی آنکھوں میں تیرنے لگا ۔ جوں جوں اسے خیال آنے لگا کہ اس عین اور نازک حیم
کے اندر اتنا جلال ، اتنی طاقت کس طرح ایسی آزادی سے رہتے ہیں ۔ ویسے ہی
اس کی آنکھوں کے پانی سے اس کا تمام چہرہ تر ہو گئے لگا ۔

رمیش نے لڑکپن میں کسی وقت رتا سے پیار کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ پیار وہ محبت، بالکل لڑکپن کی محبت تھی۔ لیکن وہ کتنی گہری تھی۔ اس کا احساس پہلی مرتبہ انہیں تارکیشور میں ہوا۔ اور وہ بھی کتنی سنجیدہ اور گہری تھی، اس کا سب سے زیادہ پتہ اس دن چلا جب وہ شام کی تاریکی میں رتائے تمام تعلقات مٹی میں ڈاکر اس کے گھر سے چلتے تھے۔ اس کے بعد اس روز کے رات دسے حادثہ کے بعد سے رتا کی حالت ہی ریمیش کو پلیگ کی جیا کے مانند دیرانی میں دکھتی نظر آتی تھی۔ لیکن ریمیش نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا کہ اس سے میرے سب کام دھارے اٹھنا بلجیٹا، سونا جاگنا۔ یہاں تک کہ غمزدگ اور مطالعہ بھی اتنا بے کیف ہو جائیگا اس ماضی پریشانی کے باعث اب وہ لمحہ بھر کے لئے بھی گھاؤں میں نہیں رہنا چاہتے تھے۔ لیکن اسی عرصے میں ایک اور حادثہ ہو گیا۔ جس سے وہ پھر گویا تین کر سیدھے بلجیٹے گئے۔

تالاب کے اس پار پیر پورہ گھاؤں ہی میں ان لوگوں کی زمینداری تھی۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ آپ دن وہ جھٹکا کر ریمیش کے پاس آئے اور خساراد پیش کیا کہ میں تو سم وگ آپ کی رعایا ہی۔ لیکن پھر بھی ہمارے لڑکوں بچوں کو صرف مسلمان ہونے کے باعث اس گھاؤں کے سکول میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ ہم لوگوں نے کسی بار کوشش کی۔ لیکن مایوس ہو نا پڑا۔ ماسٹر کسی طرح ہمارے لڑکوں کو داخل نہیں کرتے۔ ریمیش نے حیران اور ناراض ہو کر کہا: اس طرح کی بے انصافی اور ظلم تو میں نے کبھی نہیں سنا تم اپنے لڑکوں کو توح ہی لے چلو۔ میں خود چلی کو اور دلوں کھڑا ہو کر اپنے سامنے ہمارے لڑکوں کو داخل کرو دوں گا۔

ان لوگوں نے کہا : اگرچہ ہم لوگ آپ کی رعایا میں بیٹھیں دیکھ ہی زمین جوتے پرتے ہیں، اس لئے ہندوؤں کی طرح زمیندار سے نہیں ڈرتے۔ لیکن اس معاملے میں بحث کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے جھگڑا ہی بڑھیکھا، اس لئے ہم لوگ اپنے ہی میاں ایک چھوٹا سا سکول قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ٹھٹھری ضعی امداد کریں تو سب کام ہو جائے :

ریش خود بھی لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ گئے تھے۔ اس لئے انہیں ان لوگوں کی لڑائی جھگڑا نہ بڑھانے کی رائے ہی ٹھیک معلوم ہوئی۔ ماہیوں نے حامی بھری اور اسی دقت سے وہ ایک سکول کے قیام کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں کے نزدیک اگر ریش نے صرف اپنے آپ کو نہ صرف آزاد اور مسرور ہی محسوس کیا بلکہ ادھر سال بھر سے انہیں اپنے اندر جو کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بھی گویا اہستہ اہستہ پوری ہونے لگی۔ ریش نے دیکھا کہ یہ لوگ اپنے کو آں پور کے ہندو پڑوسیوں کی طرح بات بات میں لڑائی جھگڑا نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو اس کا فیصلہ کرنے کے لئے سیدھے صدر پنچ کو دعوے دائر نہیں کرتے، بلکہ اپنے ناکھیں کا فیصلہ ہی خواہ مطمئن ہو کر۔ یا غیر مطمئن ہو کر مان لیتے ہیں خصوصاً کسی مصیبت کے وقت یہ لوگ جس طرح جی جان سے ایک دوسرے کی امداد کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں اس طرح ریش نے نہ تو اس سکاؤں کے بھلے ہندو آدمیوں کو امداد چھوٹی جاتی کے لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد کرتے کبھی دیکھا تھا۔

ایک تو چھوٹ چھات چھوٹے بڑے لاد ذات برادری کے اختلاف پر ریش کو روپنی کبھی اعتقاد نہ تھا۔ اس پر جب انہوں نے پاس ہی پاس بسنے والے ان دھکاؤں کا آپس میں موازنہ کیا تو ان کی بے اعتقادی بڑھ کر دگنٹا ہو گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ہندوؤں کا دھرم اللہ ان کی سماجی رقابت و تقسیم ہی اس رنگ

دوسرے کا باعث ہے۔ مسلمان مذہب کے معاملے میں ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں، اس لئے اس کا رشتہ جیسا مضبوط ان میں ہے۔ وہ ہندوؤں میں نہیں اور وہ بھی نہیں سکتا اور جب ذات پات کی تقرین دور کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہاں تک کہ گاؤں میں اس کا چھڑنا بھی تقریباً ناممکن ہے۔ لہذا ان کے آپس کے طوائف جھگڑے کم کرنے میں میل ملاپ اور محبت پیدا کرنے کی کوشش فضول کا دوسرے ہے۔ اور کچھ برس سے وہ اپنے گاؤں میں اس کام کے لئے جو ہیکار کوشش کر رہے تھے اس کے لئے انہیں بیدار مت محسوس ہونے لگی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ان لوگوں نے ہمیشہ سے اسی طرح لاتے جھگڑائے۔ ایک دوسرے کو نوچتے کھسوتے زندگی گزار رہے ہیں۔ اور اُنیدرہ بھی اسی طرح بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ ان لوگوں کا بھی کبھی کسی بھی طرح بھلا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے سوچا کہ یہ بات سمجھتے تو کر لینی چاہئے۔ کئی وجہ سے بہت دنوں سے وہ تائی جی سے نہ مل سکے تھے۔ اس دن کی بدھیت کے بعد ایک طرح سے مان بوجھ کر ہی وہ اس طرف نہیں گئے تھے۔ آج صبح ہی اٹھ کر وہ سیدھے ان کے دروازے پر جا پہنچے۔ تائی جی کی غفل و فراست اور شرفیت پر انہیں اتنا اعتماد ہے۔ اسے وہ خود بھی نہ جانتے تھے۔ ہمیشہ نے قدے حیرت سے دیکھا کہ تائی جی اتنے سویرے ہی اٹھنا وغیرہ کر کے سب کاموں سے فارغ ہو چکی ہیں اور دھندلی روشنی میں اپنی کوٹھڑی میں زمین پر بیٹھی، چشمہ لگائے ایک کتاب پڑھ رہی ہیں۔ تائی جی کو بھی کم حیرت نہ ہوئی۔ انہوں نے کتاب بند کر دی، ارمیش کو عزت و محبت سے اندر بلا کر بٹھایا اور ان کے منہ کی طرف دیکھ کر پوچھا: ”آج اتنے سویرے؟“

”ہمیشہ نے کہا: تائی جی! اور بہت دنوں سے میں نے تمہیں دیکھا نہ تھا۔ میں پیر لہ میں بیک سکول کھول رہی ہوں۔“

دشمن شیریں نے کہا : یہاں ہیں نے بھی سنا ہے۔ لیکن آج کل ہم لوگوں کے سکول میں پڑھانے کیوں نہیں جاتا ؟

رمیش نے کہا : تائی جی ارہی بتانے کے لئے تو آیا ہوں۔ ان لوگوں کی بہتری کی کوشش کرنا بالکل مفید ہے۔ جو کبھی کسی کی بھلائی نہیں دیکھ سکتے اور جن میں اتنا غرور و تکبر ہے۔ ان لوگوں کے لئے محنت کرنے سے کچھ نائدہ نہیں۔ اُلٹے یہ لوگ اور بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ اب تو جن لوگوں کی بہتری میں واقعی بھلائی ہے۔ انہیں کے لئے محنت کروں گا ؟

تائی جی نے کہا : یہ بات تو کوئی نئی نہیں رمیش ! اس دنیا میں جس کسی نے بہتری کا بھلائی کرنے کا پوچھ لپے مر لیا ہے اس کے دشمنوں کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہی ہے۔ صرف اسی خوف سے جو لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ اگر اہلی لوگوں کے گردہ میں تم بھی جا کر مل جاؤ گے تو دنیا کام کیسے چلے گا ؟ بھگوان نے یہ بھاری پوچھ تمہارے ہی کندھوں پر ڈالا ہے اور ہمیں کو اسے اٹھانا ہوگا۔ اور کیوں رمیش، کیا تم ان لوگوں کے ہاتھ کا پانی پیتے ہو ؟

رمیش نے ہنسنے ہوئے کہا : دیکھو تائی جی اتنے ہی میں یہ بات تمہارے سالوں تک آپہنچی نا۔ اب تک تو میں نے ان لوگوں کے ہاتھ کا پانی نہیں پیا۔ لیکن پینے میں کوئی ہرج بھی نہیں سمجھتا۔ میں ذات پات اور چوٹ چھات کو نہیں مانتا۔

تائی جی نے سٹشدر مہر کر پوچھا : ذات پات کو نہیں مانتے ؟ یہ کیا کوئی بھولی بات ہے ؟ یا ذات پات کی تمیز کوئی چیز ہی نہیں جو تم نہ مانو گے ؟

رمیش نے کہا : تائی جی، شک یک ہی بات پوچھنے کے لئے میں آج تمہارے پاس آیا ہوں۔ یہ ماننا ہوں کہ ذات پات موجود ہے۔ لیکن یہ نہیں ماننا کہ وہ اچھی

چیز ہے۔

”کیوں؟“

زمیش نے یکایک کچھ جوش میں آکر کہا۔ ”کیا یہ بھی نہیں بتانا چاہیگا؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ سب نفاق اور لڑائی جھگڑے اسی کے باعث ہوتے ہیں؟ سماج میں جن لوگوں کو چھوٹی جاتی بنا کر رکھا گیا ہے۔ ان کے لئے یہ بالکل فطری ہے کہ وہ بڑی جاتی والوں پر رشک کریں، ان سے بغض و حسد رکھیں، اپنے چھوٹے ہونے کے خلاف بغاوت کریں اور اپنی ذلت سے آزاد ہونا چاہیں۔ مہندو، جمع کرنا نہیں جانتے، بکھیرنا، الگ الگ کرنا جانتے ہیں۔ گھوڑا جاننے ہیں۔ اپنے آپ کی اور اپنی جاتی کی حفاظت کرنے اور اسے بڑھانے کا یہ جو دنیاوی اصول ہے ہم لوگ اسے قبول نہیں کرتے اور اسی لئے روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ جو مردم شناسی مہیا کرتی ہے۔ اگر اس کا نتیجہ ایک بار پڑھ لیتیں تو تم ڈر جائیں اور ہمتیں معلوم ہو جاتا کہ انسان کو چھوٹا مان لاس کی جو بے عزتی کی جاتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ اس کا کیا بدلہ ہم لوگوں کو مل رہا ہے؟ ہمتیں معلوم ہو جاتا کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں مہندوؤں کی تعداد کس طرح کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود مہندوؤں کو ہوش نہیں آتا۔“

دشویشوری نے ہنس کر کہا: ”زمیش! تمہاری اتنی باتیں سن کر اب بھی توجھے ہوش نہیں آتا۔“

میں اُمحی ہوں کہ مہندو روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ بھی سماج کا قصور ضرور ہے۔ لیکن چھوٹی ذات کے مہندوؤں کا اپنی جات کو چھوڑ دینا اس کا باعث نہیں۔ کوئی مہندو صرف اس لئے اپنی ذات اور دھرم نہیں گھوڑتا کہ لوگ اسے چھوٹی ذات کا سمجھتے ہیں۔“

رمیش نے کہا : لیکن تائی جی منڈت لوگ تو یہی اندازہ کرتے ہیں ۔
 تائی جی نے کہا : یہ جیسا اندازے کے خلاف تو کوئی دلیل نہیں دے سکتی ۔ لیکن
 اگر کوئی یہ بتا سکے کہ فلاں گھاؤں کے اتنے آدمیوں نے اس سال صرف اسی لئے اپنا
 دھرم ادا جاتی چھوڑ دی ہے ۔ کہ لوگ انہیں چھوٹی ذات کا سمجھتے تھے ۔ تو شاید منڈتوں
 کسی بات مانی جاسکے ۔ لیکن میں جتنی فکر پر جانتی ہوں کہ کوئی یہ نہیں بتا سکتا ۔
 ریش نے پھر بھی بحث کرتے ہوئے کہا : لیکن تائی جی ! یہ بات تو مجھے بالکل ٹھیک
 معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ چھوٹی ذات کے ہیں ۔ وہ بڑی یا ادبچی ذات کے لوگوں
 پر رشک ضرور کرتے ہونگے ۔

ریش کی اس تیز دھڑچوش بات پر دستریشوری پھر ہنس پڑیں اور پولیس : ٹھیک
 نہیں اقلتاً ٹھیک نہیں جیسا ! یہ غم گوں کا شہر نہیں دیہات میں کوئی اس بات کی
 فکر نہیں کرتا کہ یہ چھوٹی ذات کا ہے اور وہ ادبچی ذات کا ہے ۔ جس طرح چھوٹے بھائی
 کے دل میں بڑے بھائی کے لئے رشک کا جذبہ نہیں ہوتا اور اس بات کے لئے اس کے
 دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا کہ میری پیدائش بڑے بھائی سے سال در سال بعد
 کیوں ہوئی ۔ اسی طرح دیہات کے لوگوں کا حال ہے ۔ یہاں کالستھوں کو اس
 بات کا ذرا بھی دکھ نہیں ہوتا کہ ہم برہمن نہیں ہوئے ۔ اور کہاں بھی کالستھ کے ماخذ
 ہونے کی کوشش نہیں کرتے ۔ جس طرح بڑے بھائی کو پرنام کرنے میں چھوٹے
 بھائی کو کوئی شرم و ندامت محسوس نہیں ہوتی ۔ اسی طرح کالستھ جی منڈتوں کے
 چرنوں کی خاک لینے میں ذرا بھی برا نہیں لگتا ۔ بیشا یہ ذات پات کا امتیاز اس شخص و عمارت
 کا باعث نہیں ، ہم انکم نہ بنگال کے دیہات میں تو نہیں ۔

ریش نے دل ہی دل میں حیران ہو کر کہا : تو پھر تائی جی ایسا کیوں ہوتا ہے ؟
 اس گھاؤں میں مسلمانوں کے اتنے گھر ہیں ، لیکن ان میں تو اس طرح

کے لڑائی جھگڑے نہیں ہوتے۔ وہاں توجیب کسی پر مصیبت آتی ہے تو کوئی بھی
 سے یہاں والوں کی طرح دھردبا نہیں چاہتا۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو۔ کہ اس دن دھارکا
 نیٹس کی لاش کو کوئی چھوئے گا کے لئے نہیں کیا۔ کیونکہ دن کا پرستشخت نہیں ہوا تھا۔
 دستوریتوری نے کہا: ہاں بیٹا، سب جانتی ہوں۔ لیکن اس کی وجہ ذات پات کا امتیاز
 نہیں۔ وجہ یہی ہے۔ کہ مسلمانوں میں اب بھی ان کا حقیقی مذہب موجود ہے۔ اور ہم لوگوں
 میں وہ نہیں۔ جسے فی الحقیقت دھرم کہتے ہیں۔ وہ دیہات میں سے بالکل غائب
 ہے۔ — اور وہ گئے ہیں قرن خیالات، تجربے رسم و رواج اداں سے ہونے والی
 جماعت بندیاں!

رعیش نے پلو سانہ انداز میں ٹھنڈی سانس لے کر کہا: "تاٹی جی! کیا اس کے سدھار
 کا کوئی طریقہ نہیں؟"

دستوریتوری نے کہا: "ہے کیوں نہیں بیٹا! اسکی اصلاح صرف تعلیم ہی سے ہو
 سکتی ہے۔ جس راستے پر تم نے پیڑ رکھا ہے۔ صرف ایک راستہ ہے۔ اسی لئے
 میں تم سے برابر کہتی ہوں کہ تمہیں اپنی اس جہم بھری کو کسی طرح بھی چھوڑ کر جانا
 چاہیے۔"

اس کے جواب میں رعیش کچھ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔ کہ دستوریتوری نے رد کر
 کہا: "تم کہو گے کہ مسلمانوں میں بھی تو جہالت کافی ہے۔ ضرور ہے۔ لیکن ان لوگوں
 کے زندہ مذہب نے انہیں سب طرف سے بچا رکھا ہے۔ رعیش، میں ایک بات
 کہتی ہوں۔ پیر پور گاؤں ہی میں تم پتہ لگاؤ گے تو نہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہاں
 جعفر نامی ایک بٹا آدمی ہے، جسے سب لوگوں نے مل کر بلادی سے نکال رکھا ہے۔
 کیونکہ وہ اپنی بیوہ سوتیلی ماں کو کھانے کو نہیں دیتا۔ لیکن ہمارے ان گودمگن گڈولی
 نے اپنی بیوہ بھانجی کو اپنے ہاتھ سے مارے مارے نیم جاں کر دیا۔ لیکن سمان

کی طرف سے انہیں اس کی سزا ملنا تو گنا چوڑھے میں، وہ خود ہی سناج کے سر پر پڑے
 کھینچا بنے بیٹھے ہیں۔ ہم توگوں میں اس قسم کے نقائص کو اعزازی گناہ و ثواب مان لیا
 گیا ہے۔ ان کی سزا جگوان چاہیں گے تو دیں گے، مودہ نہ چاہیں گے تو نہ دیں گے، لیکن ہمارا
 دیہاتی مسلح ان کی طرف توجہ بھی نہ کر گیا۔

یہ نئی بات سنکر ایک طرف تو رعیش حیران و ششدر رہ گئے، لیکن دوسری طرف
 ان کا دل اسی کو بدی حقیقت کے روپ میں قبول کرنے سے ہچکچا نے لگا۔ دسٹولیشوری
 نے ان کے ولی جذبات کو سمجھ کر کہا: بیٹا، تم نتیجہ ہی کو ذریعہ سمجھ کر نہ بھول بیٹھا، اگر تم
 اس بات کی حاجت کرنا چاہتے ہو کہ میرا کہنا ٹھیک ہے یا نہیں تو تم شہر کے دو چار قریبی گاؤں
 بس گھوم آؤ۔ درپہروں کے ساتھ اپنے کو ان پورے گاؤں کا مقابلہ کر کے دیکھو۔ سب ہاتھیں
 خود بخود معلوم ہو جائیں گی۔

کلکتہ کے اس پاس کے ایک دو گاؤں سے رعیش خوب واقف تھے۔ ان کا نقشہ دل
 میں جہاتے ہی گویا اچانک ان کی آنکھوں پر سے ایک سیاہ پردہ مٹ گیا۔ وہ حیرت
 و استعجاب سے دسٹولیشوری کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن وہ اس طرف کچھ بھی
 خیال نہ کر کے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ کہنے لگیں: بیٹا!
 اسی لئے تو میں تم سے بار بار کہتی ہوں کہ تم اپنی جنم بومی کو چھوڑ کر نہ جانا، تمہاری طرح ہمارے
 کرجو لوگ جو رہے ہو گئے ہیں، وہ اگر تمہاری ہی طرح گاؤں میں لوٹ آتے تو گاؤں سے اپنا نام
 تعلق توڑ کر نہ چلے جاتے۔ تو ان کی ایسی بُری حالت نہ ہوتی۔ وہ کبھی گوندنگولی کو سر پر ڈھاکر
 نہیں دور کر دینے کی کوشش نہ کرتے۔

اب رعیش کو تما کی بات یاد آئی، اس لئے انہوں نے پھر ناما مگل کے ہنڈ میں کہا۔
 دور چلے جانے میں اب مجھے بھی دکھ نہیں۔

دسٹولیشوری کا دھیان ان کے اس لیے پڑ گیا۔ لیکن وہ وجہ نہ سمجھ سکیں۔

بولیں : ہمیں تمہیں یہ کہی نہ ہو سکے گا۔ جب تم یہاں آ گئے ہو اور کام شروع کر دیا ہے تو آپ اسے ادھر وہاں ہی چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو مادر وطن ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی۔
 "کیوں نہ تائی جی! اور وطن میری اکیلے ہی کی تو نہیں؟"

تائی جی نے منٹاثر ہو کر کہا : تمہاری اکیلے کی کیا بیٹا! وہ صرف تمہاری ہی ماں ہے۔
 دیکھتے نہیں کہ ماں اپنی زبان سے کبھی اپنی اولاد سے کچھ نہیں مانگتی! اسی لئے اتنے لوگوں کے ہونے کے باوجود اس کا رونا کسی کے سماؤں تک نہ پہنچ سکا۔ لیکن تم نے اسے یہاں آتے ہی سن لیا۔"

رتمیش نے پھر اور کوئی بحث نہیں کی۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھ رہے۔
 اور پھر خاموشی سے انتہائی عقیدت سے دستور لٹیری کے پاؤں کی خاک اپنی پیشانی سے لگا کر آہستہ آہستہ دلوں سے ہاسر نکل آئے۔

جس دلت وہ اپنے گھر پہنچے تو سورج طلوع ہو رہا تھا۔ ان کی کوٹھڑی میں مشرق کی طرف جو کھڑکی تھی وہ کھلی تھی۔ اسی کے سامنے کھڑے ہو کر وہ خاموش آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اچانک کسی بچے کی آواز سن کر چونک کر منہ پھرتے ہی انہوں نے دیکھا کہ راما کا چھوٹا بھائی جتندر دروازے کے باہر کھڑا بکا رہا ہے۔ "چھوٹے بھائی! چھوٹے بھائی!"

شرم سے اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ رتمیش نے قریب جا کر ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اندھا کر پوچھا : "جتندر! کسے پکار رہے تھے؟ اُپکو؟"

"ججے! ججے! چھوٹے بھائی! کہہ کر پکارنے کے لئے تم سے کس نے کہا؟"

"بہن نے۔"

"بہن نے؟ کیا انہوں نے تمہیں مجھ سے کچھ کہنے کے لئے بھیجا ہے؟"

جستہ نے سر ہل کر کہا: "بہنیں بہن نے کہا کہ مجھے اپنے ساتھ چھوٹے بھتیجا کے
پہاں لے چلو۔ وہ وہاں کھڑی ہیں۔"

یہ کہہ کر جتنی نے وہاں سے ہٹ کر طرف اشارہ کیا۔ ریشم نے وہاں دو پہلیاں ہو کر
دیکھا کہ وہاں ایک کچھ کتاڑ میں کھڑی ہے۔ اس کے قریب جا کر انہوں نے نرم چہ میں
کہا: "آج میری قسمت بڑی تیز ہے۔ لیکن تم لے مجھے ہی کیوں نہ جا پہنچا۔ خود میں ایک
آنے کی تکلیف کیوں کی؟" اور اللہ داد!

رسمانی پہلے تو کچھ ادھر ادھر کھینچا اور پھر جتنی کا ہاتھ پکڑ کر ریشم کے پیچھے پیچھے
جا کر ان کے دروازے کی چوڑائی کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر کہا: "آج میں ایک چیز کی جھگڑ
مانگنے کے لئے آپ کے کھڑائی میں بیٹھ بیٹھ بیٹھ۔"

یہ کہہ کر وہ ریشم کے چہرے کی طرف ٹٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔ اس کی زبان سے ریشم
کے سارے دل کے تمام تار گویا اچانک زخم کی چوڑی سے جھنڈا اٹھے۔ اور پھر ایک دم
ٹوٹ کر بکھر گئے۔ کچھ ہی لمحوں میں ان کے دل میں جوار سے اٹھائیں انسانیت اور ان کی
اندھید میں حسرت اور رقص کر رہی تھیں۔ سب اکدم کچھ ٹٹکیں سب پر گئی اور ان کی
بہر طر تار کی جھاگنی۔ پھر ہی پوچھا: "کہو! کیا چاہتی ہو؟"

ان کا وہ غیر فطری خشک اچھٹا سے پوشیدہ نہ رہا۔ اس نے ان کے چہرے پر اسی طرح نگاہ
جھانکے ہوئے کہا: "آپ پہلے زبان دیں؟"

ریشم نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد سر ہل کر کہا: "یہ بہنیں کر سکتا ہے کہ جو
میں تم سے کوئی سوال لے بغیر زبان دینے کی جو طاقت تھی مانتے تم نے اپنے ہاتھ پر تباہ
کر ڈالا ہے؟"

رسمانی نے بھونچا ہوا چہرہ میں نے؟

ریشم نے کہا: "ہاں، وہ طاقت تمہارے سوا اور کسی میں نہ تھی۔" رسمانی نے

میں تم پر ایک حقیقت کا انکشاف کرتا ہوں۔ مہتاراجی چاہے تو اس پر یقین کرنا نہ
جی چاہے نہ کرنا۔ لیکن اگر وہ چیز محرک باطل معدوم نہ ہو گئی جتنی خوشی میں ہتھیں
یہ بات نہ سنا سکتا۔

پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا: آج یہ بات بتا دینے میں میرے ہاتھ کسے
نفع و نقصان کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اسی نے آج بتا دیا ہوں کہ اس حد تک میرے
پاس کئی ایسی چیز نہ تھی جو میں تمہیں نہ دے سکتا۔ لیکن تم جانتی ہو کہیں؟
تو نے صراحت کر کہ تو دیا نہیں لیکن اس کھل کسی جھپٹا سیر خیال سے تڑپ
اٹھا۔

کھینچ لے کہا: لیکن شکر خدا میں نہ مہتا ہمارا بھی نہ مہتا یہی سمجھ لیا کہ محبت ملنے
نہانے کی کئی کہانی سن رہی ہوں۔

تو نے مدیمان ہی میں دو گئے کی دل ہی دل میں بڑی کرشمش کی۔ لیکن اس کا سر
اس طرح جھک گیا۔ کہ وہ اسے کسی طرح اوپر نہ اٹھا سکی۔ برقیں نے پھر اسی طرح
چم سکون لازم اور شیریں لہجے میں کہا: تمہیں تم سے محبت کرتا تھا۔ آج یہ لیا معلوم
ہو رہا ہے کہ وہی محبت شاید کبھی کسی نے کسی سے نہیں کی۔ لاکھین میں میں اپنی
ماں کے منہ سے سنا کر تامل و زعم دونوں کا سیاہ ہو گیا۔ اس کے بعد جس دن میری
اسبب اہل ختم ہو گئی۔ خواب سوچوں بن کر رہ گئی۔ اس دن میں دو پڑا تھا۔ اب بھلا
مجھے وہ دن یاد آتا ہے۔

یہ سب باتیں پچھلے ہرے عزم لہجے کی طرح رتا کے کلن سے دل تک پہنچ
کر اسے جانے لگیں۔ بعد کے غیر محسوس اتیز اور ناقابلِ روشتہ ایسی چھری
بن کر اس کے دل و جگر کو کاٹ کر گائے نکرتے کرتے لگی۔ لیکن رہتیش
کو روکنے کا کوئی طریقہ اسے سمجھ نہ نہ مل سکا۔ اس لحاظ سے پتھر کی موسیقی

کی طرح خاموش مٹی کی ریتیں مٹی نہ ہر ایئر مٹی بائیں سنتی رہی۔ ریتیں کہنے لگیں : تم
یہ سنا رہے ہو کہ ہمیں یہ ساری داستان سناؤ ظلم۔ م۔ بے انصافی ہے میرے
دل میں بھی پہلے ہی شک تھا۔ اور اس لئے اس دن تاریکیشدر میں جب تھامی ایک دن
کی محبت اور عزت اور احترام سے میری تمام زندگی کی رفتار بدل گئی تھی۔ وہ بدل گئی تھی۔
تو بھی میں خاموش رہا۔ لیکن وہ خاموشی میرے حق میں ابھی نہ تھی۔

اب تم سے کسی طرح بداشت نہ ہو سکا اس نے کہا : تو پھر آج ہی آپ مجھے
اپنے مکان پر پا کر اس طرح میری تحفہ دو میں کیوں کہہ رہے ہیں ؟
ریتیں نے کہا : تو میں اب اہل نہیں۔ اس میں احترام یا تو میں کی کوئی بات ہی نہیں
جن لگوں کی یہ باتیں ہیں، ان کی تمام کبھی بھی نہ بھٹی۔ اور وہ ریتیں بھی اب
نہیں رہا۔ خیر کچھ بھی ہوا سنو۔۔۔ اس دن نہ جانے کیوں مجھے یہ سچے یقین ہو گیا تھا
کہ تم خواہ کچھ کہو کچھ کرو، لیکن میری بکائی میری بربادی کسی طرح بداشت نہ کر سکو گی معلوم
ہوتا ہے۔ اس وقت سوچا تھا کہ اس کو نہیں میں ایک دن تم نے جو محبت کی تھی۔ اسے
شاید اب بھی میرا سر بھول نہ سکی تھی مگر مٹی نے یہ سوچا تھا کہ تمہیں کوئی بات نہ بتا رہا ہے
یہی سنا ہے میں کہ اپنی زندگی کے تمام کام بہتہ بہتہ کئے جاؤں گا۔ لیکن اس کے
بعد اس بعد جب میں نے خود اکبر کے منہ سے سنا کہ تم نے خود۔۔۔ اسے باہر لے آنا
شرور و غل کیوں ہوتا ہے ؟

اتنے میں اب اسے گویا پالی سرکار نے بہت ہی گھبراہٹ میں کہا : ہاں جی ہاں
آؤ دیکھتے ہی ریتیں باہر نکل آئے۔ گویا سرکار نے کہا : ہاں جی، پولیس نے
بھجوا کر گرفتار کر لیا ہے۔

خون کے کدے گویا سرکار کے مہنت کا منہ رہے تھے۔ انہوں نے
بڑی خشک سے کہا : یہوں بات کو ادا لگوں کی ریتیں یہ وہ نشان تھیا جاتا

ہے۔

رقیش نے گھر سے کی طرف دیکھ کر کہا : رہا اب تم ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہرو گھر کی
کے راستے اب چلی جاؤ۔ پولیس مکان کی تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑے گی۔
..... کہہ نہیں سکتا۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ معاملہ کیا ہے اور کہاں تک
پہنچ گیا ہے؟

رہا کے مرنے کا پختہ ہو گیا۔ اس سے یاد آگیا کہ اس دن میں نے ہی ستانے میں
اطلاع کر دئی تھی۔ اس کے بعد ہی وہ اچانک دم نہ لگی اور بول : میں نہیں
جاؤں گی۔

رقیش نے تھوڑی دیر تک حیرت زدہ رہ کر کہا : نہیں نہیں رہنا انتہی اب
یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ جلد ہی سے چلی جاؤ۔
یہ کہہ کر رہا کی کوئی بات سننے بغیر ہی جھنڈا رکھا تاکہ پکڑ کر انہوں نے زبردستی دونوں
دھبا لی بہن کو گھر کی کے راستے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔

(۱۳۱)

دو پہننے گزر گئے۔ راکوؤں کے ساتھ بھوتہ بھی حالات میں بند تھا۔ اس دن تلاشی
میں ریش نے گھر سے کوئی مشتبہ چیز برآمد نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ آجادیہ نے شہادت
دی کہ اس رات کو بھوتہ میرے ساتھ میری روٹی کے لئے روکھینے گیا تھا۔ لیکن پھر
بھی بھوتہ صاف پرمانہ کیا گیا۔ ریش نے آکر کہا : بہن رہا بہت سے داؤ پیچ سوچ کر
مقام کام کرنا ہوتا ہے۔ در نہ کیا دشمن کو آسانی سے بچا رکھا جاسکتا ہے ؟
اس دن اپنے ایک کے حکم سے بھوتہ جو لاٹھی ٹاٹھ میں لے کر پھیل کا جھنڈا لینے

کے لئے گھر پر چڑھ آیا تھا۔ پہلی دھبٹ اگر تم جانے میں لکھا چکی ہو تیں تو کیا آج وہ
بیمعاش اس طرح عیالات میں بند کر دیا جا سکتا ہے اور میں اگر تم ساتھ ساتھ دو چار
باقی اور بڑھ کر تیش کا نام بھی مثالی کر دیں تو پھر دیکھتیں ناش! لیکن اسی
دست و قدم نے میری کوئی بات ہی نہ سنی!

وہاں کا چہرہ اتنا اتر گیا اُسے دیکھ کر دینی رولا: نہیں، تہیں مشاہدات سے نہیں
جاننا پڑ گیا اور پھر زمین کر دے کہ وہاں بھی بڑے تو اس میں ہرج می کیا ہے! زمیندار ہی کہتی ہے
تو پھر کسی بات سے بچے مٹنے سے کام نہیں چلے گا۔
تم نے کوئی جواب نہ دیا۔

دینی کہنے لگے: لیکن تیش تو آسانی سے تالوں میں نہیں آ سکتا۔ اس بار
اس نے بھی کوئی کم چال نہیں چلی ماس نے جو یہ بیٹا سکول کھلا ہے اس کے اوقات میں
بڑی تکلیف اٹانی پڑی گی۔ ایک تو ایسے ہی مسلمان رہ گیا ہیں اپنا زمیندار نہیں ماننا چاہتا
اس پر گردہ لوگ کھٹنا چڑھنا سیکھ گئے تو پھر زمیندار ہی کا رہنا یا نہ رہنا بابو سمجھ لو۔ یہ
بات میں تہیں ابھی سے جتاے دیتا ہوں!

زمیندار ہی کے سب کام نہ آتے ہیں اسی کے سوا کسی کے صلاحاتی کوئی حق ماس صاحب
ہیں دونوں میں تو کسی بھی کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا تھا لیکن آج پہلی بار تالے بھٹ
شروع کی گئی تھیں۔ اس سے خود تیش بھی تھکا کر پڑا تو کم فیضان نہ پڑ گا!

خود تیش کو بھی اس لمحے میں کچھ کم کھٹانا تھا۔ انہوں نے جو کچھ غور و فکر کے
لیو فیضان کیا تھا وہی اس وقت بے گمان لگے کہا: سارا تم پر سب باتیں کیا جا رہی ہے
تو بے نقصان ہی لگے ہی نہیں ہم دونوں ادھی پریشان ہو گئے، کر لیں وہ خوش ہوا!
دیکھ نہیں رہی ہو کہ جہاں ہے کیا ہے کس طرح روپے نکال رہا ہے۔ چاروں طرف
چوٹی زلزلہ کے گلوں میں: چوٹے پور کے نام کا شہر ہی کیا ہے۔ جیسے وہی

کیک آدمی ہے۔ اور ہم درزل کوئی چیز ہی نہیں۔ لیکن یہ بہت دلیل تک نہ چلے
سکا۔ بہن! یہ جو تم نے اسے پولیس کی نگاہ پر چڑھا دیا ہے ماسی سے نہ آخر کار ختم
ہو جائیگا؟

دینی نے دل ہی دل میں انتہائی حیران ہو کر دیکھا کہ اس شخص سے کیا راز
دل میں جتنی اہم جہات پیدا ہونی چاہیے۔ اس کا کہیں نام ہی نہیں۔ بلکہ وہ نہیں معلوم
کہ اچانک رات کے چورے کا رنگ بدل گیا ہے۔ رات کے پوچھا دیا ریشمیں بنیا کہ یہ بات
مستم ہو گئی ہے کہ میں نے کھانے میں اطلاع کھائی تھی؟
دینی نے کھانا اچھی طرح تو نہیں جانتا۔ لیکن آخر اسے اس بات کا پتہ تو لگ
ہی جائیگا کہ جو اس کے مفردے میں سب بات کھلی ہو گئی؟

اس پر رات نے اور کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ دل ہی دل میں گریا کسی بہت
بڑے صدمے سے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ رہ کر اس کے دل
میں یہی آنے لگا کہ یہ بات ریشم سے پریشہ نہ ہو سکتی کہ انہیں مصیبت میں پورے غافل
ہیں تھے ہی سب سے آگے گھومیں۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا۔ کیوں
بڑے بھتیہ آج صبح تو ان کا نام سب لوگوں کی زبان سے سنائی دیتا
ہے؟

دینی نے کہا: صرف ہمارے ہی گاہوں میں نہیں بلکہ سنا ہے اس کی دیکھا
رکھی پانچ چھ اسکاؤں میں بھی سکول گھر لے اور اسے بنانے کی تیاریاں سہر ہی ہیں۔
آج کل چھوٹی ذات کے سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ صاحب لوگوں کے ملک میں
ہر گاہوں میں ایک دو سکول ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے اتنی ترقی
کے لیے ریشم نے چاندوں طرف یہ بات پھیلا دی ہے کہ جس جگہ دنیا سکول
کھلے گا۔ اس جگہ کے لئے میں دوستوں کو دے دوں گا۔ چاچی سے بتھو دیا

ٹے میں اودھ سب اپنی کاموں میں خرچ کر ڈالے تھا۔ مسلمان اڑتے کوئی پیر پیغمبر
کچھ بیٹھے ہیں۔

رہا کے چنے سے یہ بات ایک بار کلیسیا سے چمک کر کلک لگی تھی کہ اگر اس کے ساتھ میرا
نام بھی شامل ہو کر وہ سکتا! لیکن صرف لمحہ بھر کے لئے دوسرے ہی گئے اس کو اور چند
تاریکی سے گھر کیا۔

دینی کہنے لگے: "لیکن میں بھی اتنے آسانی سے نہ چھوڑ دوں گا یہ بات کوڑا حوب
میں بھی نہ سوچ کر وہ ہم لوگوں کی ساری دنیا کو اس طرح آسانی سے ہلا ڈالے گا۔
ہم دیندار ہو کر بھی چپ چاپ آنکھ نہ بند کر کے دیکھتے رہیں گے یہ محنت میرا تہلیل
اب کی بار بھو آئی طرف سے گواہی دے آیا ہے۔ اب میں دیکھوں گا کہ کس طرح
اپنی لڑائی کا بیاد کرتا ہے ایک اور بھی ترکیب ہے۔ یقیناً دیکھیں گے مرنے والے کیا کرتے
ہیں۔ ملک بھر میں ہونے لگے ہیں۔ اب اس بار کوڑا حوب چل پڑے گا۔ پھر
کسی معاملے میں اس کے ملک کو بھی چل بھولنے میں بھی زیادہ وقت نہ ہوگی۔ اور
تھکنے لڑنے سے پہلے ہی کہا تھا کہ دینی سادھے میں وہ بھی گئی نہ کہیں گے۔ لیکن میں نے یہ
خیال نہ کیا تھا کہ تہااری بات اتنی درست ثابت ہوگی۔

رہا نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ دینی میں یہ سمجھنے کی طاقت نہ تھی کہ اپنے مکہ یا اسپین
گئی کے اس طرح صرف بھروسہ ثابت نہ ہونے کی خبر باکرہ میں جس صورت کا چہرہ
نظر و غور سے چمک نہیں اٹھا۔ بلکہ ہماری سیاسی میں چپ گیا ہے اس کے دل کی
حالت کی بات ہم یہ بات اتنی صاف سچی کہ کسی کی نگاہ سے اس کے بچنے کی توقع
نہ تھی۔ دینی کی نگاہ سے بھی وہ پوشیدہ نہ رہی۔ اس پر انہیں محمد تعویب ہوا۔ انہوں نے
رسولی گھر میں جا کر موصی سے بھی مدد چاہی کہیں در پردہ اپنے گھر جا ہی رہے
تھے کرتا نہ تھا۔ ان کے اشارے سے باکرہ زم پے میں کہا دیکھیں بڑے

معتبا اگر چھوٹے ستیا میل چلے جائیں تو کہا یہ ہم لوگوں کے لئے سنگ کی بات نہ ہوگی؟

”جی ہاں ابھی زیادہ متعجب ہو کر پوچھا نہ کیوں؟“
”وہ اپنے رشتہ دار جو ہیں اگر ہم لوگ نہ بچائیں گے تو دنیا میں لوگوں کے نام پر کھانا نہ کرائی؟“

”جو جیسا کہ تھا، ویسا ہو گا یہ ہم لوگوں کا اس میں کیا؟“
”تو اسے پھر چپا کی طرح نرم لہجے میں کہا: لیکن یہ بات کسی سے چھپی تو رہی کہ ہمیں مگر رعیتیں ہیں اس سچے راجہ کے لئے سنیں پھر دے وہ نور سردی کی بہتری کے لئے ہی دینا سب کچھ لگا ہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہیں بھی تو گاؤں میں سب لوگوں کو نہ دکھانا ہو گا۔“

دینی نے زور سے ہنسنے لگا کہ کہا: بہن آج ہمیں ہو کیا گیا ہے؟
”تو نے ایک بار دل ہی دل میں دینی کے ساتھ رعیتوں کے چہرے کا مقابلہ کیا اور پھر گریہ سیدھی طرح ہر اٹھا ہی نہ سکی۔ اس نے کہا: گاؤں کے لوگ خون کے مارے خواہ منہ پر کچھ نہ کہیں۔ لیکن پیچھے پیچھے تو کہیں گے ہی، تم کہو گے کہ بچہ بیچے تو لوگ راجہ کی ماں کو بھی ذرا ہی کہتے ہیں، لیکن ملکوان بھی تو ہیں، اگر کسی بے تصور کو جھوٹا عرش بے جرم سزا دہائی جائیگی تو وہ تو ہمیں نہ چھوڑیں گے، اپنی نے جادوئی طعنہ لگا کر کرتے ہوئے کہا: مائے مرے میری قسمت، بھلا تو نہ ایشیا یاد دیرنا کو کچھ ملتا بھی ہے، ایشیا جی کا صدمہ گرا ہے۔ اس کی مرمت کر دینے کی تھی بیچارہ اس نے یہ کہہ کر جگا دیا کہ جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے، ان سے جا کر کہہ دو کہ قتل کاوں میں طرح کر کے لئے میرے پاس روپیہ نہیں، سستی اس کی بات اس کے نزدیک قبول کا فرق تھا، اب کام کا فرق ہے مسلمانوں

کے لئے سکول کھولنا اور پھر رہن کا لڑکا ہو کر بھی سندھیا، پوجا وغیرہ کچھ نہیں کرتا۔
 سنا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ کا پانی تک پیتا ہے۔ چاروں آگہری کے پڑھ کر اب کیا
 اس کا کوئی دھرم باقی رہ گئی ہے؟ ہاں نہیں! لیکن اس کی سزا گئی کہاں ہے۔
 جمع ہو رہی ہے۔ اور ایک دن سب کے سامنے اسے پھینک دیں!

دعا اور زیادہ بحث مباحثہ نہ کرتے ہوئے خاموش مزدور ہی لیکن رعیش کی
 بے دھرمی کی بالیشور اور دیوتاؤں سے انکڑوں کی بات یاد کر کے اس کا دل پھر ان
 کی طرف سے متغیر ہو گیا۔ تو یہی اپنے آپ کچھ کہتے کہتے وہاں سے چل دیے۔ رہا
 پچھلے تو کچھ دیر تک اسی طرح کھڑی رہی۔ اور پھر اپنی کٹھڑی میں جا کر دھم سے
 زمین پر بیٹھ گئی۔ اس دن ایسی ایک اور شے تھی۔ آج کھانے پینے کا جھجٹ نہیں یہ سوچ کر
 گریبا اسے بڑا سکون و اطمینان حاصل ہوا۔

(۱۱۴)

برسات گزر گئی۔ آٹے والی دھواڑ جا۔ کی سرت اور ملیکا ٹون بنگال کی دہلی
 سرزمین کے آسمان میں ہوا میں اہر طرب جھانکنے لگا۔ رعیش کو بھی سنا آئے لگا۔
 گزشتہ سال تو وہ اس راکشش کے حملہ کا مقابلہ کر کے بچ گئے تھے۔ لیکن اس
 سال دراندیش نہ کر سکے۔ متواتر تین دن تک بھار میں پڑے رہنے کے بعد آج صبح
 ہی وہ اٹھے اور بہت سی کاربنی نقل کر کھڑکی سے باہر زور دھوپ کی طرف
 دیکھتے ہوئے سو پڑے تھے کہ گاؤں کے آس پاس جو پانی کے غیر فرضی گڑھے
 ہیں اور جگہ جگہ جھار جمع ہو رہے ہیں۔ گاؤں والوں کو اس کے خلاف مضبوط
 کیا جا سکتا ہے یا نہیں! اور رنگا مار تین دن تک بھار میں مبتلا رہنے کے

باعث بن کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا تھا کہ میں کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑ گیا وہ
 سوچتے تھے کہ اگر میں انسان ہو کر بھی چپ چاپ بیٹھا ہوں گا۔ اور لوگوں کو اسی طرح
 ہر سال مہینوں بلیر یا کی زکالیت برداشت کرنے دوں گا تو سبکدوش اس کے لئے
 مجھے کبھی محاف نہ کریں گے۔ کئی دن پہلے اس بارے میں گاؤں دلوں کے ساتھ
 بات چیت کر کے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ گاؤں والے بھی اس سے ہونے والے
 نقصان اور ضرر سے بہت کچھ واقف ہیں۔ لیکن دوسروں کے گرد سے پلٹنے اور
 جھاڑ جھاڑ کاٹنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ وہ اسے ٹھہرتے کھا کر دوسروں کے
 کھیتوں کی رکھوالی دیکھتے ہیں۔ جن لوگوں کی اپنی زمین میں گروے اور جھاڑیاں پھڑ
 پھڑیں وہ دیکھتے تھے کہ یہ سب ہمارا کیا ہوتا ہے نہیں یہ تو چار سالہ بچہ واداکے
 وقت سے چھوڑا ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو غرض ہو وہ ان گھڑیل کرپاٹ دیں اور
 جھاڑیاں وغیرہ صاف کر دیں یہیں کوئی اعتراض نہیں۔ یقیناً ہم نے اس کے لئے پیسہ
 ہی طرح کر سکتے ہیں اور نہ محنت ہی کر سکتے ہیں۔ زمینش کو پکا گانے پر مہم تھا۔
 کہ پاس ہی پاس بہت سے ایسے گاؤں بھی ہیں جن میں سے ایک گاؤں تو بلیر یا
 کے باعث اجڑا رہا ہے اور اس کے قریب ہی کے دوسرے گاؤں میں بلیر یا کا تقریباً
 نام و نشان بھی نہیں باقی ہے۔ وہ سوچنے لگے۔ کہ ذرا طبیعت کے سنبھلنے سے جا کر
 خود اپنی آنکھوں سے ایسے گاؤں کو دیکھوں گا اور لوگوں کی حالت کی جانچ کر لیں گا۔
 اور اس کے بعض اپنے غرض کا یقین کر دیں گا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں دیہات میں
 بلیر یا نہیں۔ ان میں پانی کے نکاس کا مزد کوئی قدرتی راستہ ہو گا۔ وہ راستہ تو اپنی
 معمولی طور سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرتا ہو۔ لیکن کوشش کر کے لوگوں
 کی توجہ اس طرف دہلی جاسکتی ہے۔ اور کہہ کم میرے متقدم پیر و پڑگاؤں کی مدد
 دے یا ان کی آنکھیں تو مزد ہی کھل جائیں گی۔ جب انہیں اس بات کا دھیان آیا۔

کہ میری انجینئرنگ کی تعلیم کے کام آئے گا اتنے دنوں بعد ایک اچھا موقعہ آیا ہے اور وہ
 بھی ایک بہت ہی اہم معاملے میں! تو وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔
 اتنے میں محسوس نے روتی ہوئی آواز سے بھرا سے چھوٹے باور

رہمیش چونک پڑے۔ ماہیوں نے گھوم کر دیکھا تو بھیرو اچا یہ زمین پر افسوس
 منہ پڑے۔ اے اور عورتوں کی طرح چھوٹ چھوٹ کر رہے تھے۔ اگلی سات اٹھ برس
 کی ایک لڑکی بھی ساتھ تھی۔ اس نے بھی باپ کے ساتھ مل کر بیچ بھروسے سا لنگر
 سر پر اٹھایا۔ دیکھتے دیکھتے گھر کے سب لوگ دھواڑے کے پاس آکر اکٹھے ہو گئے۔
 اور بھیرو ٹھک لگی۔ رہمیش بچا لے کیے شدید سے رہ گئے وہ کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکے۔
 کہ کس سے پوچھیں۔ سن کا کون مر گیا۔ ہے۔ یا کیا نقصان ہو گیا ہے۔ اور کس طرح
 انہیں چھپ کر اٹھیں! انہوں نے فریب پہنچ کر جیسے ہی بھیرو کا ہاتھ پکڑ کر ڈراکھینا اور
 گر پال کر دونوں باہنوں میں جکڑ کر پہلے سے ہی زیادہ زبردور سے رونے لگے۔
 رہمیش یہ خیال کر کے کہ یہ آدمی نہ اسی بات میں عورتوں کی طرح لگتا ہے۔ بلکہ
 قرار دے رہے تھے کہ گر پال کی ڈھارس بن جائے والی باتوں سے متاثر ہو کر ہر
 بھیرو چاہیہ انہیں پوچھ کر ڈرا سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اور اپنے عظیم صدمہ کی داستان
 بیان کرنے لگے۔ ان کا حال سن کر رہمیش خاموش رہ گئے۔ وہ اس بات کا تقصد بھی
 نہ کر سکے کہ اتنا بڑا ظلم بھی کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ بات یہ تھی کہ جب بھیرو کی گڑبڑ ہے
 بھیرو ہوا تو اس سے پولیس کی مشتبہ انگاہوں سے بچا جانے کے لئے رہمیش نے اسے
 اس کے وطن بیچ دیا تھا۔ اس طرح لازم تھا تو کسی نہ کسی طرح چھپا رہا ہو گیا۔ لیکن
 اب گواہی میں پھنس گیا۔ جب بھیرو کہ کسی طرح اپنی مصیبت کی خبر ملی تو وہ مل
 دوڑا ہوا صدمہ گیا اور دلوں اسے پتہ نہ تھا۔ کہ پانچ چھ دن چھوٹے سرواھاگر کے سنت
 کہ جی نے جو دینی کے سسر کے بھائی تھے۔ بھیرو کے نام صدمہ اور اصل سب لوگ

گیارہ سو چھپیس روپے سات آنے کی ڈگری کرائی ہے۔ اور اب ایک دن کے
 اندر اس کے رہنے ساگر قرق کر کے خدام کو دیا جائیگا اور یہ ڈگری ایک طرف
 نہیں ہوتی تھی۔ تھکون کے مطابق اس کے نام سن جاری ہوا۔ کسی نے بیرو کے نام
 سے دستخط کر کے وہ سن لے لیا اور اپنے آپ کو بیرو بنا کر عدالت کے سامنے سب کچھ
 دینا منظور کر لیا۔ غرض یہ کہ فرض جھوٹا مدعی جھوٹا مدعا علیہم بھی جھوٹا اس طرح
 اس سرنا پا جھوٹ کی مدد سے ایک طاقتور آدمی نے ایک کمزور آدمی کا سب کچھ
 چھین کر اسے در در کا بھکاری بنانے کی کوشش کی اصاب سرکاری عدالت میں
 میں اس ظلم کے خلاف قدم اٹھانا بھی آسان نہیں۔ جب تک ڈگری کا سلا روپیہ
 عدالت میں جمع نہ کر دیا جائے اس وقت تک وہاں کوئی بات کہی ہی نہیں جاسکتی۔
 اب سرنا پا کر مر جانے پر بھی کوئی سچ بات نہیں سنے گا۔ لیکن غریب بھردار تھے
 روپے کہاں سے لائے جو عدالت میں جمع کرا کے اس ظلم و بے انصافی کے خلاف
 انصاف کی اپیل کر کے اپنی جان بچائے؟ تو کیا حکومت، قانون، عدالت، راج، امیر
 وغیرہ سب کے موجود ہوتے ہوئے بھی ایک غریب اور بے قصور شخص کو مرنا
 پڑے گا؟ اور اس میں کسی کو بھی شک نہ رہتا کہ یہ ساری جملہ دلی دہنی اور
 گوند گنگولی کی ہے۔ اس ظلم کے باعث بیرو کی حالت خواہ کتنی ہی خراب کیوں
 نہ ہو جائے، عدالتوں کے سب رگ اندر ہی اندر اس کے متعلق خواہ کتنی ہی سرگوشیاں
 کیوں نہ کرتے رہیں، لیکن ایک آدمی بھی ایسا نہیں نکلا گا جو سراسر انصاف کے
 سامنے مخالفت کر سکے۔ کیونکہ وہ لوگ کسی کے تین تیرہ میں حصہ نہیں لیتے
 اور دوسروں کے حوالے ہیں کچھ کہا سنا بھی نہیں پسند نہیں۔ اور
 خواہ کچھ ہو۔ لیکن راج ریشی، سنا یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ غریب رعایا پر بے
 جبک ظلم کرنے کی خوات ان کو کہاں سے ملتی ہے۔ اور کس طرح ملک

کے قانون کو بھی لگ نکالنے کی چھری کی طرح کام میں لائے ہیں۔ ایک طرف دولت کی طاقت اور دوسری طرف باقی کی سمجھ انہیں جس طرح سزا سے پہنچاتی ہے۔ اس طرح دوسری طرف مرد سماج بھی ان لوگوں کی بدکرداریوں کے لئے سزا کا کوئی انتظام نہیں کرتا۔ اسی لئے یہ لوگ ہزاروں بے انصافان اور ظلم کر کے بھی حقیقت سے محروم مردہ دیہاتی سماج کے سر پر ہانک رکھ کر کسی خوف و خطر کے بغیر اپنی مرضی کے مطابق حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں تائی جی کی باتیں رہ رہ کر یاد آئے لگیں۔ اس دن انہوں نے غم آلود منہ پیچتے ہوئے کہا تھا —

”ریش، چولے میں جاؤں ذات بات کے یہ خیالات اور بھلا بڑے کے جھگڑے کبھی بڑے۔ بیٹا، تم صرف چراغ دو سگائوں کے لوگ اندھیرے میں اندھے مہرے ہو۔ ہیں۔ بیٹا، تم ایک بار ایسا انتظام کرو کہ یہ لوگ آنکھیں کھول کر دیکھ سکیں۔ اس وقت یہ خود بخود سیاہ و سفید میں امتیاز کر لیں گے۔ اور یہ بھی سمجھ لیں گے کہ اچھی بات کون سی ہے۔ اور بُری کونسی“ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم یہاں آج آئے ہو بیٹا۔ تو اب یہاں سے نہ جانا۔ تم لوگ منہ پھیرے رہتے ہو۔ ستمیاری دیہاتی اور وطن کی یہ حالت ہے۔“ اور کہا کہنا سچ ہی تو ہے۔ امیرے چلے جانے سے تو حالت اب بھی بدتر ہو جاتی! اصلاح کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہتا!

ریش نے ایک سرور اٹھائی اور کہنے لگا کہ دل ہی دل میں کہا: اُنہی ہماری بنگلہ کا پاکیزہ چم سکون اور انصاف کا گھر دیہاتی سماج ہے۔ شاید کوئی زمانہ ایسا بھی گزرا ہو۔ جب اس میں جان بچی مابین وقت اس میں اتنی طاقت تھی کہ یہ ظالموں کو بدکرداروں کو سزا دیتا تھا اور اپنے صحابہ سے چیلے والے مردوں اور عورتوں کو آزادانہ زندگی بسر کرنے میں مدد دیتا تھا۔ لیکن آج یہ مردہ ہے۔ پھر بھی اندھے دیہاتی اس ستمیاری اور شری مہرئی لاش کو ہمیں چھوڑنے اور اپنی محبت کے باعث

اسے سر پر اٹھائے۔ روز بروز کمزور، مغموم اور بے جان ہوتے چلے مار رہے ہیں۔
 پھر بھی آنکھیں کھولی کر نہیں دیکھتے۔ وہ اسی کو سنا جانتے ہیں جو کمزوروں کی حفاظت
 کر نہیں سکتا، بلکہ انہیں اور زیادہ پاؤں تلے روندتا ہے۔ اور ان کا اپنی گناہ عظیم انہیں
 سخت التڑنی کی طرح پیچھے لے جا رہا ہے۔ رعیش کچھ دیر تک اور خاموش بیٹھے رہنے
 کے بعد چانگ کو یاد کا کھاکھاکہ اٹھا کھڑے ہوئے اور فوراً بھڑو کے دینے کی رقم کا چیک
 کاٹ کر گوپل سر پر لٹکا دیتے ہوئے کہا: آپ سب باتیں پہلے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔
 اور پھر یہودیہ صبح کراد لیجئے اور جس طرح سہی ہو سکے، اپیل کا سارا انتظام کر کے آئیے، ایسا
 انتظام ہو کہ پھر ایسا خفاں ظلم کرنے کی انہیں کبھی جرات نہ ہو سکے۔

گوپل نے چیک لے لیا۔ کچھ دیر تک وہ اور بھڑو اضطراب امیر لگاہوں سے دیکھتے
 رہے۔ رعیش نے پھر انہیں اپنا مطلب وضاحت سے سکھایا۔ اب بھڑو کی سمجھ میں آ گیا۔
 رعیش میرے ساتھ دو لگی نہیں کر رہے۔ اس لئے انہوں نے طبری سے تھے گئے وہ کہ
 پاگلوں کی طرح رعیش کے دونوں پاؤں خوب زبرد سے پکڑنے اور دھرتے ہوئے
 اٹھ رہا ہے۔ دیکھ رہا ہے کہ وہ پا کر دیا اگر رعیش کی جگہ کوئی کمزور آدمی مرنے والا اس
 کے لئے خود کو بھڑو لینا شوار ہوتا۔ اس بات کو سارے گاؤں میں پھیلے دیر نہ لی۔
 سب لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب رعیشی اور گرفتار آسانی سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا۔
 سب لگا کھنے لگے کہ بھڑو نے پاؤں اپنے پرانے دشمن سے پار لینے کے لئے ہی اتنے
 مدد دے دئے ہیں! لیکن اس بات کا تصور کرنا بھی کسی نے نئے ممکن نہ تھا۔
 کمزور بھڑو کی بجائے بھگوان خلیہ بوجھ لگیب ایسے آدمی کے سر رکھا یا ہے۔ جو اس
 سے بھاری بوجھ بھی اٹھائی ہے دھکا سکتا ہے۔

اس کے بعد کئی ایک مہینہ گزر گیا۔ میرا کہ غافل جبر و جہد کا رعیش دل ہی
 دل میں محموم مہیم کر چکا تھے۔ اس لئے ایک مہینہ بھڑو سے وہ اپنے نام اختلاف

لے کر ایسے سڑوٹی اور محویت سے مختلف مقامات کی جانچ پڑتال کر رہے تھے۔ کہ
 یہ ات تقریباً سولہ بجے تک کل ہی پھرتی کے مقدے کی تاریخ ہے۔ آج شام
 کے وقت چانگتہ دشمن جوگی۔ وہوں کی آواز سن کر وہ بات نہیں یاد آگئی بلکہ اس سے
 یہ سنکر وہ حیران و متحیر رہ گئے۔ مگر آج پھر وہاں چارہ کے دو تھے گاؤں پر دشمن دہشت کا
 پلے دن اٹھ چکا تھا۔ ہے۔ پھر بھی انہیں اس کا پتہ نہیں! انہوں نے سنا کہ پھر وہ
 نے کچھ معمولی تیاریاں نہیں کی مگر انہوں نے گاؤں بھر کے سب لوگوں کو دعوت دی ہے۔
 لیکن گھر کا کوئی آدمی یہ نہ بتا سکا کہ تمہیں کب بھی کوئی دعوت دینے آیا نہیں، صرف
 یہی نہیں، بلکہ اب انہیں یہ بھی یاد آیا کہ سر پر اتنا بڑا مقدمہ ہو لے پر بھی پھرتی چارہ
 میں کچھ دن سے ایک بار لے بھی نہیں آئے، بس معاملہ کیا ہے، وہ فوراً واپس کدے
 پر ڈال کر سیدھے پھرتی چارہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، سارے ہی سے انہوں نے دیکھا
 کہ ہارے کے ایک طرف گاؤں کے دو تین کتے جھوٹی پتلیوں کے لئے لڑ رہے ہیں۔
 اس میں ہی دشمن جوگی دے آگئے، سنا کہ متباکر لی رہے ہیں۔ اور بعض آگے تا پ رہے
 ہیں۔ اندھ پنچ کر دیکھا کہ محسن میں سبکدوش جگہ سے چٹا ہوا لکڑی کا ٹکڑا ہے اور
 گاؤں بھر میں جو پانچ سو بہت بانی مٹی کے تیل کی دھنیں میں سے کچھ اور گھوٹالی
 کے یہاں سے لاکر ملائی گئی ہیں۔ ان میں سے کوئی تو کم نکلتی ہے۔ اس وقت زیادہ
 اس دھوئیں سے وہ تمام جگہ بدبو سے بھر گئی ہے۔ کھانا پینا ختم ہو چکا ہے۔ ہتھیاری واپس
 نہیں رہ گئے، صرف چند ایک بیٹھے ہیں، بچاؤں کے بڑے بوڑھے اور سر پہ بھی اب
 "ہاؤں ہاؤں" کر رہے ہیں، کوئی نہ کوئی دغا سے قدرے بہت کر ایک کسان کے
 لڑکے کے ساتھ تنہائی میں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے ہیں۔ عین اسی وقت تمہیں
 ایک بیگانہ خواب کی طرح دیکھا کہ سب لوگوں کے سامنے محسن میں جا کر ٹپ
 ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی ان لوگوں کے چہرے پر جس طرح لمحہ بھر کے لئے

سیاہی دوڑ گئی۔ فریق مخالف کو اس طرح ایک جا دیکھ کر رعیش کا چہرہ بھی کچھ مسرور نہیں ہوا۔ کوئی بھی انہیں ٹھینے کا کہنے کے لئے آگے نہیں بڑھا، وہاں تک کہ کسی نے ایک بات بھی نہ کہی۔ پھر وہ خود داناں نہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ "ماں کو ہڈ بھیا....." کہتے ہوئے کسی کام سے باہر آئے تو گویا انہیں صحن میں بھرت کھڑا دکھائی دیا اور وہ تیزی سے لوٹ کر اندر چلے گئے۔ سبب رعیش سر کے منہ سے اکیلے اس مکان سے باہر نکل آئے تو وہ حیرت کے مارے گریا کاٹھ ہو گئے۔ اتنے میں انہیں سنائی دیا پیچھے سے کوئی پکار رہا ہے۔ "بھیا رعیش!"

رعیش نے پیچھے سر کر دیکھا کہ وہیزا بیٹے ہوئے چلے آئے ہیں، قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"چلے بھیا جی، گھر میں چلے۔"

رعیش نے بھینے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے منہ پر ہنسی نہ آ سکی۔ چلتے چلتے دتیز کہنے لگے۔ اپنے اس پر جوا حسان کیا "اس سے جو نیکی کی وہ اس کے ماں باپ بھی اس سے نہ کرتے یہ بات جانتے تو سب لوگ ہیں، لیکن کیا کیا جائے کوئی جان جو ہمیں بچے کچے لے لے کہ ہمارے گھر کو گرہستی چلائی پڑتی ہے۔ اسی لئے اگر آپ کو مدعو کیا جاتا، تو..... سمجھ گئے نہ بھیا!..... بچارے پھر کو بھی الزام نہیں دیا جاسکتا۔ تم سب آج کل کے شہر کے رہنے والے لوگ کے ٹھہرے۔ ذات بات تو کچھ جانتے نہیں۔ اسی لئے..... سمجھ گئے نہ بھیا..... اب اسکی چھوٹی لڑکی بھی تیار ہر س کی ہو چلی سو دن بعد اسے تو پتا نہ لگا ہی پڑیکا۔ بھیا۔ ہم لکھنا کے سونے کا حال تو جانتے ہی ہر..... سمجھ گئے نہ بھیا۔"

رعیش نے بے چین ہو کر کہا..... "جی ماں اسب سمجھ گیا۔"

رمیش کے گھر سے اور صدمہ سے کہاں کھڑے ہو کہ تو نے خوش ہو کر کہا
 ہاں بیٹا! سمجھ گئے کیوں نہیں کچھ خاص تو پر نہیں بس پرہیز کو بھی کیسے اراں ہے
 ہم پڑھوں کر اپنے پر لوگ کی فکر۔۔۔

رمیش یہ کہتے ہوئے عادی سے اپنے گھر کے اندر چلے گئے وہی ہیں یہ تو
 ٹھیک ہی ہے۔

اب انہیں یہ سمجھ میں دیر نہ لگی کہ گاؤں کے لوگوں نے انہیں زور سے آگے کر دیا
 ہے۔ گھر پہنچے پر غم و غصہ ہمارے ان کو آگھیں مل اٹھیں۔ آج انہیں یہ بات سب
 سے زیادہ کٹھن کی کہ وہ اپنی اور کون سی کو آج بھیر و عزت و احترام سے کہا دیا۔ اور
 گاؤں کے سب بزرگوں نے سب باتیں ہانٹے اور سمجھ لینے کے بعد بھی بھیر و کو اس کے
 اس برتاؤ کے لئے صرف معاف ہی نہیں کر دیا کہہ سناج کی خاطر اس نے جو جملے بولے
 انہیں اسے بھی تقریفاً دقتیں کی نظر سے دیکھ لیتے۔

رمیش نے ایک چمکی پر بیٹھ کر اور مٹی مٹا کر چھوڑ کر کہا: اے بھگوان! اس احسان
 و ہمتاں جاتی اس حسن کش سناج کے اس گناہ غصہ کو کھانا کس طرح مہربان ہو کر
 کیا اتنی بڑی سنگدہنہ بے عزتی کو تم بھی معاف کر سکتے ہو؟

تمنا دیکھنے کے لئے ابھی دنگ اٹھے ہو کر اندر داخل ہوئے تھے دھکم پیل کرنے لگے۔ لیکن جوش غضب میں ہمیش نے اس طرف دھیان ہی نہ دیا۔ میٹرواں آدمیوں کی اشتیاق آمیز نگاہوں کے سامنے گھڑے ہو کر وہ پاگلن کی طرح بھرتو کو پکڑے ہوئے اسی طرح بٹخے پر جھٹکے دیئے گئے ایک تو پونہی ہمیش کی جہانی طاقت کی کہانیاں زبان زد عام تھیں۔ اس پران کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر اتنے آدمیوں میں سے کسی کو بھی ہڑت نہ ہوئی کہ بدتمست بھرتو کو حیرت کے گوند تو اندر آتے ہی بھرتو میں مل کر غائب ہو گئے۔ دینی دور ہی سے جھانک کر کھسک ہاں اچا پتے تھے کہ بھرتو دیکھ کر دوڑا۔

لیکن بڑے بڑے اس طرف دھیان نہ دیا اور وہ پگ بھٹکتے ہی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ چنانچہ اس بھرتو میں سے ایک راستہ ہوا اور اس کے فوراً ہی بجار راتنے عادی سے راتیں پنچکر ہمیش کا ماتہ پکڑ دیا۔ وہ سمجھا کہ بس یہی ہے اب چھوڑ دو۔

ہمیش نے اس کی طرف آتش زد نگاہ سے دیکھ کر کہا دیکھیں؟
 تانے ہانت بھیج کر غضبناک بچے میں کہا: اتنے آدمیوں کے سامنے نہیں ایسا کرتے غم نہیں آتی ان میں تو غم کے اس سہری چارہ ہی ہوں؟
 ہمیش نے لوگوں کی طرف دیکھ کر فوراً بھرتو کو چھوڑ دیا۔ اب رہنے غم و ناگہ اندر سے کہا۔

اب آگھر جاؤ۔

ہمیش کچھ کہہ بغیر لوگوں سے باہر ہو گئے۔ بیکار گویا اندر جال کا کھیل سامنے گیا لیکن ان کے چلے جانے پر تما کے متعلق ان کے اس احترام آمیز برتاؤ سے سب دنگ تعجب سے ایک دوسرے سامنے کھینے لگے۔ اور اتنی بڑی بات اس زور شور

مہیں جانتا، ہمیں ہوجر منہ دکھا رہی ہو۔ کوئی اندر ہوتے تو گلے میں پھانسی لٹکا لیتی۔
 دینی نے لکشمی کو جھڑک کر کہا: لکشمی خاموش رہو۔ ان سب باتوں کے کہنے کی
 ضرورت کیا ہے؟

لکشمی نے کہا: ضرورت کیوں نہیں؟ جس کی وجہ سے بابو جی نے اتنا دکھ پایا۔ اسکی
 لور سے تیار لڑائی کر لگی؟ اگر آج بابو جی مردائے تو؟

دم بھر کے لئے تباہاموش رہی۔ لیکن دینی کے اس جہادٹی غصے کے بچے نے اسے گویا
 پیر غنچیاں کر دیا۔ اس نے لکشمی کی طرف دیکھ کر کہا: لکشمی! ایسے آدمی کے ہاتھ سے مرنا
 بھی خوش قسمتی ہے۔ آج اگر تھانہ سے باپ مر جاتے تو سیدھے سوڑک جاسکتے۔

لکشمی نے اند بھی حل یوں کر کہا: اسی لئے درماہن تم اس پر مری ہو جا
 مانے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اند اسکی طرف سے منہ پھیر کر دینی کی طرف نگہ
 کر پوچھا۔

لیکن بڑے بھیا۔ یہ بات کیا ہے تمہیں بتاؤ نہ؟

یہ کہہ کر وہ لکشمی نگاہ ان کی طرف دیکھتی ہی۔ اس کی نگاہ گویا تاریکی کو چیر کر دینی
 کے دل کے اندر تک دیکھنے لگی۔ دینی نے ناراض سے ہر کر کہا: ہن، بھلا میں کیا جانور؟
 لوگ تو ایسی بہت سی باتیں کہتے ہیں۔ لیکن ان باتوں کی طرف دھیان دینے
 سے کام نہیں چلتا۔

زمانے پوچھا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

دینی نے کہا: کہتے ہیں تو کہا کریں۔ ان کے کہنے سے بدن پر آبلہ تو پڑ نہیں
 جاتے؟

اس فریب مہمانہ سہار دی گونما سمجھ گئی۔ اس نے تھوڑی دیر تک خاموش
 رہنے کے بعد کہا: ہتھکے جسم پر تو شاید کسی چیز سے بھی آبلہ نہیں پڑ سکتے

لیکن ہر شخص کے بدن پر تو غندری طرح گینڈے کا چڑا ہے نہیں لیکن انوں سے
یہ سب باتیں کہنا ناگزن ہے؟ تم سب
رہنی لے کہا وہ ہیں؟

نسا کے دل سے شے کے طوفان اٹھ رہے تھے، لیکن وہ پوری طاقت سے
انہیں روک رہی تھی۔ اب اس کے لیے سے فطری طور پر نہیں ہوا اس نے کہا: تمہارا
سوا اور کوئی نہیں دنیا کی کوئی برائی تم نے نہیں چھوڑی۔ چوری، زنیب، جین، نگہ میں
آگ، آگ، آگ، سب کچھ تو ہر چکا ہے، ابھی کیوں آتی رہ جا رہے؟
وہی سن کر دھڑک رہی تھی اور نہ سے کوئی بات نہ کہہ سکے۔ نسا نے کہا: تم
میں یہ جھگڑے کی طاقت نہیں، کہ عورتوں کے لیے اس سے بڑھ کر شرم کی کوئی
بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں پوچھتی ہوں کہ یہ بدنامی پیدائش میں پیدا کیا فائدہ
ہے؟

وہی نے ڈر کر کہا: میرا کیا فائدہ ہو گا اگر نگہ نہیں صبح سویرے ریش کے گھر
سے نکلے دیکھیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

نسا نے اس بات پر توجہ دے کر بغیر کہا: میں اتنے آدمیوں کے سامنے اور کچھ نہیں
کہنا چاہتی لیکن جسے جیسا تم نے سمجھا کہ مجھے تیار ہے، لیکن بات یہ ہے کہ میں نہیں لیکن یہ یقین
ہاں دیکھو کہ میں مرے سے پہلے نہیں ہی فائدہ نہ جھگڑاؤ گی۔

بھیرو کی عورت ابھی تک اچھپا چھپا کر رہی تھی۔ اب اس نے اگر
بڑھ کر اٹھ کر اٹھا لیا تو پھر کوئی گھر کے اندر سے نرم لے میں کہا: اسے بیٹی تم پر اس
جوئی ہوا ہوا کرنا اب اسے جو نہیں نہیں جانتا ہے۔

اس کے بعد اس نے اپنی راک سے سہارا لکھی، اور عورت مہر عورت کی، اس طرح
بدنامی کرتی ہے، ہر دم یہ بداشت نہیں کر سکتا۔ آج امہوں نے تم پر جو

معدن کیلئے۔ اگر اسی کی بجی بہتیں نہ سمجھیں۔

پتھر کر کے تاکر جھینچتی ہوئی کوٹھڑی کے زور سے گئی مچلے پتھر کے اشارے سے
سے اس کے اس پرناؤ سے سب لگے گویا ساڑھو کر دیاں سے چلا گئے۔

اس دفعہ کی دیر غاہ کتنی ہی جری مہلہ کچھ ہی ہو۔ لیکن جبر ہی اپنے میں سبکائی
موش کے باعث قییش کا دل بگڑا تو دونوں لگے ایسا منظور ہوا کہ وہ مگر سہا ہر نکلا
کے نام اتنے لوگوں کے سامنے رہا جو اپنی مرضی سے ان کی مذمت میں حصہ
لیئے آئی تھی اس کا دھیان دیکھ کر ان کی شرم و مذمت کسب یہ باتوں پر پہنچی کی ہلکی
سی چپک کی طرح حسن احمد مناس کی تیز فکیر کھینچ جاتا تھا۔ اسی لئے ان کی مذمت میں
بھی شکیں کی کچھ جھجکاں تھیں۔ اسی وقت وہ دورے کو کی کش کش میں
جسب وہ چلے رہا تھا اپنے گھر میں تھکا ہونے کے اندر کہہ رہے تھے۔ تو انہوں نے جواب
میں بھی سر جھانکا کہ اس وقت انہیں کی طرف اشارہ کر کے باہر ایکہ دلی کے سر پر بھی
شرم و مذمت اور حقوتہ میں کا پھاڑ ڈٹ کر گر رہا ہے۔

لیکن چھپ کر بیٹھنے کا انہیں موقع نہ ملا۔ آج شام کو پیر تپہ کی صدان دعا بال
چہایت مہر نے دلی تھی اس نے اس میں شامل ہونے کے لئے تھ لگے امیں بلائے تھے
یہ انہیں ہی نے کہہ دیا ہے اس چہایت کا انتظام کیا تھا۔ اسی لئے جب انہیں
یہ اطلاع موصول ہوئی کہ وہ لگے بیٹھ کر چھوڑنے والی ہو گی کا انتظام ہو رہا ہے
انہیں جا رہی ہے۔

چہ لگائے پیر قییش کو معلوم ہوا تھا کہ ہر گاؤں کے کسانوں میں غریبوں کی تعداد
بہت زیادہ ہے۔ بہت سے رگ ایسے ہیں جن کے پاس ایک کڑا بھی زمین نہیں ہے
لگان دے کر دھندوں کی زمین پر رہتے ہیں مادہ دھندوں میں ان زمینوں میں زبردستی
کر کے دینا پیش پاتے ہیں۔ اگر معدن کام نہ ملے یا جاری دلیروں کے باعث معدن

کام پر نہ جانے تو پیر انہیں عذراں سمیت تادم کرنا پڑا ہے تحقیقات پر یہ معلوم ہوا۔
 کہ کسی وقت ان ہی سے اکثر کی حالت اچھی تھی۔ تین فرض کے پیر میں ان کا سب
 کچھ چھوٹا فرض کی صورت ہی سہی نہیں تھا، مہاجن رنگ زمین میں رکھ کر فرض دیتے
 ہیں۔ لیکن اکثر سے نہیں لیتے بلکہ فصل کا حصہ لینا چاہتے ہیں۔ مہاجن صاحب دکن کے پیر
 جسے کی قیمت کچھ بھی اصل کے قریب پہنچتی ہے۔ اس نے جب ایک بار کئی مسلمان
 کچھ فرض لینے پر مجبور ہوئے تو پیر سنبلی کو کھوا نہیں دے سکتا۔ مہاجن اسے اس
 مہاجن کے حصہ سے پہاگ لٹا دیتا پڑتا ہے۔ اس معاملے میں ہندو اور مسلمان
 دونوں کی حالت یکساں ہے۔ کیونکہ مہاجن ہندو میں مدھیش نے شہر میں مسیام کے مسئلہ
 میں کتابیں پڑھ کر اس مسئلے میں جو کچھ جانا سمجھا تھا۔ اس کی حقیقی صورت جب
 انہوں نے گاؤں میں آکر دیکھی تو گنگا دھ گئے۔ ان کے بہت سے بچے بنگال میں
 پڑے تھے۔ ان بچوں سے وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بھی جمع کر کے وہ مہاجن کے ساتھ
 سے ان پر وقت فریروں کے چھٹکارے پر مکر گئے تھے۔ لیکن ایک مدھک میں ہیں کہ
 اس میں نقصان انکار انہوں نے دیکھا کہ وہ فریروں کو جو اتنا زیادہ بے رحم اور
 قابل رحم ہو چکا تھا۔ وہ سر اسر دست نہیں دے رہے تھے۔ بے سہارا اور مدھک سادے
 مرنے میں، لیکن بد مذاقی اور بد مشاش میں جو کم نہیں ہو جا رہا تھا اسے انداز کر کے بھارت
 ان ہی فکر کہ تھی ہے عجیب ہوتا ہے۔ ان کا سر بچا نہیں جوتا اور دھوکا دیا خوب ہوتا
 میں۔ پنے ہندو جو ان کی عزتوں اور لیکچروں کے شرم کا چرچا کرنے کا شوق بھی نہیں
 کم نہیں ہندو کی شادی بھائی ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مختلف عمر کی بیویوں
 کے بوجھ سے ہر ایک کھربا جا رہا ہے ماسی نے ان کی سماجی زندگی بھی بدلتی ہے۔
 ان لوگوں کا سماج بھی ہے اور اس کا اثر دسرخ بھی کم نہیں۔ تین پرنس کے ساتھ
 چھوٹا کار تعلق ہے۔ سماج کے ساتھ ان لوگوں کا بھی بالکل وہی تعلق ہے۔

تاہم یہ لوگ اتنے ڈکھی ۱۱ اتنے کمزور اور اتنے مفلس ہیں کہ ان سے ناراض ہو کر چپ چاپ بیٹھ رہنا بھی ناممکن ہے۔ باغی اور بدکردار کی راہ پر چلنے والے اولاد کے مستقبل باب کے جو جذبات ہوتے ہیں ہمیش کے دل میں بھی ویسے ہی جذبات اظہار ہے جیسے وہ اسی لئے نہ شام کو شام کو ریش نے پیر پور کے نئے گول میں بیچا تھی۔

ابھی ٹھوڑی دیر ہوئی شام کی تاریکی کو دور کر کے چاند کی ٹانگی گھر کی کے باہر کھلے میدان میں چادوں طرف پھیل گئی تھی۔ ریش اسی طرف دیکھتے ہوئے چاند کے لئے تیار ہو کر بھی نہیں جا رہے تھے۔ اسی وقت دنا کر ان کے مددگار کے پاس گھڑی بھگئی۔ دناں بدستری نہ تھی۔ اسی نے ریش کے گھر کی دھڑکے کر کہا: کیا پتی ہو؟

”کیا آپ باہر جا رہے ہیں؟“

”ریش چونک کر بے یقون آ رہا: اس وقت کیسے نہیں؟“

جس نے اسے شام کا سہارا دینا چاہا۔ اس کے کہنے کی غلط فہمی نہ تھی، لیکن جس کام کے لئے وہ آئی تھی۔ اس کے مستقبل بہت سے باتیں کہنی تھیں۔ اس نے اس کی کچھ باتیں کہیں بات کس طرح شروع کرے۔ وہ خاموش رہی۔ ریش بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ ٹھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر سامنے پرچا۔

”آپ کی صحت کیسے ہے؟“

”ریش نے کہا: ابھی نہیں۔ اب میری وفات کو سمجھا رہا ہے۔“

”انے کہا: تو کچھ دنوں کے لئے باہر گھر آنا چھوڑنا۔“

”ریش نے ہنس کر کہا: جانتا تھا کہ اچھا ہوگا۔ لیکن ہاؤس کیسے؟“

”یہ سن کر دیکھ کر ناراض ہوئی۔ اس نے کہا: آپ کہیں گے کہ آپ کو

بہت سے کام ہیں۔ لیکن ایسا کونسا کام ہے۔ جو اپنی صحت کو متاثر کرتا ہے۔“

بھی بڑھ کر ہو رہا۔

ریش نے پہلے ہی کی طرح ہنس کر کہا : میں یہ نہیں کہتا کہ اپنی صحت پر اپنی نظر
 انداز کر دینے کی چیز ہے۔ لیکن انسان کے لئے ایسے بھی کام ہیں جو صحت کی صحت سے
 بھی بہت بڑھ کر ہیں۔ لیکن ماما یہ تو تم نہ سمجھو گی۔
 تانے سے مراد کرنا ہے۔ میں سمجھا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن آپ کو کسی جگہ جانا ہی ہو گا۔ آپ نے
 سرکار گشتہ سے کہہ چائیں ہیں (ان کے کام کاج کی دیکھ بھال کر دوں گی)۔
 ریش نے حیران ہو کر کہا : تم میرے کا اکلک دیکھ بھال کرو گی؟ لیکن۔
 لیکن کیا؟

”ماما کیا تم جانتی ہو کہ میں تم پر اتنا دیکھ بھال کر سکتی ہوں؟“
 تانے نے فوراً بے جھجکا کہا : ”دو ٹوٹا نہ کر سکتی۔ لیکن آپ کر سکتی گے۔“
 اس کے ہنسات بچہ کی اس راہ سے ریش بے حد حیران ہوئے لیکن کہہ کر غائب ہوئے۔
 ریش کے بعد وہ۔۔۔

ایسا سوچو ہی تھا

تانے نے سر ہل کر کہا : ”نہیں، مجھے سب سے زیادہ ریش ہی آپ کو کسی جگہ جانا چاہیے۔“
 اگر نہ جائیں گے تو۔۔۔

یہ کہتے ہی تانے ہانڈ بھوس کر کہا کہ ریش بے چین ہوئے ہیں۔ کیونکہ اچانک
 اس تجویز پر عرض نہ کرنے سے کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا۔ ریش
 نے ٹھیک ہی اندازہ کیا۔ لیکن غصہ نہ مچا بلکہ اپنی مودود کو قائم رکھتے ہوئے
 انہوں نے کہا : اچھا۔ غصہ نہ کرو میں چلا گیا تو اس سے نہیں کیا فائدہ ہو گا۔ اچھے
 مصیبت میں ڈولنے کے لئے تم نے خود ہی رولے کچھ کم کر سکتی ہو گی۔ جتنا دیکر
 اور مصیبت سے خبردار کرنے والی ہو۔ اب سب واقعات ابھی اتنے ہوئے ہیں

ہوئے کہ نہیں یاد نہ ہوں۔ تکیہ صاف صاف تھا تو کہ میرے چلے جانے سے نہیں
 کیا آسانی ہوئی مگر کیا فائدہ تھا؟ پھر شاید میں جانے کے لئے رستہ ہی ہو سکتا
 ہوں۔

یہ سمجھ کر وہ جواب کی اجازت میں رہا کہ چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن
 ابھی کوئی جھلپ نہ تھی۔ انہیں اس بات پر بھی نہ چاہا کہ ان کے پیسے میں کیا جذبات
 پیدا ہوئے۔ اس لمحے میں یہ بھی دکھائی نہ دیا کہ اس بے رحمانہ طنز کے صدمے سے وہ
 کاچرہ کتنا غمزدہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر مٹا لے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور
 کہا: اچھا صاف صاف ہی کہتی تھی نہ کیا؟ چھ چلنے میں میرا فائدہ تو کچھ بھی
 نہیں لیکن نہ جانے میں کتنا غمزدہ رہے۔ کبھی کسی دینی بڑ بھی
 رعیش نے خشک ہے جس کا یہ بات ہے، لیکن اگر کسی غمزدہ؟

مٹا لے پھر تھوڑے رنگ کر کہا: نہ دینی بڑ نہ دینی تو دو دن بعد ہمارے بیان
 - مہا ایاہ کی پوجا میں کوئی بھی نہ لے گا۔ اور جنت کے ٹیکر پریت کے وقت کوئی کھانا
 نہ کھا پکا میوہ نہ پوت...

اس قسم کے سادہ کے مکان ہی سے مٹا گیا تھا۔
 اس سے آگے اور کچھ نہ گئے سے یہی کام چل جاتا۔ لیکن ان سے نہ لگ گیا پوجا۔
 اس کے بعد؟

وہ نے مضطرب ہو کر کہا: اس کے بھی بعد نہیں، تم چلے جاؤ۔ رعیش جیسا میں
 لقم سے اٹھا کرتی ہوں۔ منت کرتی ہوں۔ تم مجھے سب طرف سے چوہا نہ کرو۔ تم جلد
 یہاں سے چلے جاؤ۔

کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ اس سے چھ خونہ کہیں، خواہ کسی
 حالت میں ہوں۔ تاکہ دیکھتے ہی رعیش کا خون کھل مٹتا تھا۔ دل ہوا دل

میں ہر دھن دلیس دے دے کو دل کو سونے گا اور جھوٹی باتیں سننا کر بھی دھت سے
 سکون پرندہ ہو سکتے تھے۔ دل کی اس ماحوش مخالفت سے وہ نکل بھی پائے، آخر مہر بھی
 محسوس کرنے سے ہر غصے بھی ہوتے، لیکن کسی طرح اسے میں میں ملا سکتے تھے، خضر سا
 آج اس لذت ہی تھا کہ اپنے گھر میں اکیلے آئے دیکھ کر گلی کی بات یاد کرتے ہی ان
 کے دل کا اضطراب اُنکیم بڑھ گیا تھا۔ لیکن دما کی آخری بات سے توجہ دے کر وہ
 بعد ان کا وہ دل سمجھ کر پر گیا تھا کہ اس خوف و اضطراب سے لبریز ہر دھن سے بے
 غرضی کا چہرہ تھا، صاف تھا کہ آج ان کے اندر دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک
 گہری سانس لیا، انہوں نے کہا: چھ، بیباکی، لیکن آج تو دقت نہیں میری
 یہاں سے ہوا، آگ مارے گا، دعوت ہمارے لئے گئی ہے، کیا نہیں ہو گیا؟ وہ آج کی رات میری
 لئے اس سے بھی بڑا قریب ہے، تم دینی مای کرنا، مجھے اسی وقت ہر کیا ہو گا؟
 رات نے آہستہ سے بڑھا دیا، ان کی کسی طرف نہیں جاسکتے؟

- نہیں، ہندو، وہ کسی کہیں نہیں؟

- میرے ساتھ کئی نہیں آیا؟

زمین حیران رہ گئے۔ یہ کیا بات ہے؟ ہمیں کیسے یہاں آنے کی جوت کیسے
 ہوئی؟ اپنے ساتھ ایک دھن تک نہیں آئیں؟

تھانے اسی طرح نرم و نازک تیری ہے میں کہا: اس سے بھی کیا ہوا؟ ہاتھ
 وہ بھی تو ہمارے ہاتھ سے میری مخالفت کر رہی تھی؟

زمین نے کہا: خیر نہ کرے۔ لیکن جھوٹی چرماہی سے تو بچا سکتی، مدانی مانتا بھی
 تو کچھ کہ نہیں ہوئی؟

وہی بہت دیر کا بھولا ہوا نام، اپنا تک نہ جانے کیا سمجھنے کے لئے رتا
 کو انتہائی خوش آیا، لیکن اس نے اس سے رنگ لیا، اس کے بعد صرف ہی کہا: زمین

جتیا۔ اس کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ اندھیری رات تھیں۔ میں نہایت آسانی سے
 چلی جاؤں گی۔
 یہ کہہ کر کسی بات کا انتظار کے بغیر رہا۔ اہستہ اہستہ باہر چلی گئی۔

(۱۶)

تیسرا سہل ڈے شاعر سے ڈر گیا۔ پوچھا کہ ہزار مہینا کرتی تھی اور پوچھ کے بیٹے
 ہی دن یعنی سپہتی کے روز گھاؤں کے سب غریبوں اور گناہوں کو خوب جی بھر کے
 گھٹائی تھی۔ پرچھن گھر سے مانا کا پرشاد پانے کے لئے ایسی مصمم چلی جاتی تھی۔ کہ
 رات ایک پہر تک چلی دوڑنے اور چھوٹے برتنوں کی جگہ سے گھر میں پیر رکھنے
 کی بھی جگہ نہیں رہتی تھی۔ صرف مہینہ ہی نہیں۔ پیر پور کی مہمان دہایا بھی کافی
 تعداد میں آتی تھی۔

اس بار بھی۔ اگرچہ وہ غریبہ تھی۔ اس لئے یہ انتظام کرنے میں کمزور نہیں چھوڑی
 چٹاری منڈپ میں یہ دو غیرہ کا سامان تھا۔ نیچے میوہ کے لئے لہا چوڑا عین
 تھا۔

سپہتی کی پر جا غیرہ وقت پر ختم ہو چکی تھی۔ دوپہر کے بعد اہستہ اہستہ تیسرا
 پہر بھی ختم ہونے کو آیا تھا۔ آسمان میں ساتویں مہینا پانڈر اہستہ اہستہ چلنے لگا تھا۔
 لیکن کسی کے مکان کا بڑا صحن غورے سے بچلے مہینوں کے سوا بالکل خالی
 سبائیں بائیں کر رہا تھا۔ سہات اور چھلی کا سڑبا پڑھا پڑھا تھا۔ سہات سے جو کہ
 چنے لگے۔ تین ابھی تک ایک ہی مکان نے مانا کے پیمانہ لینے کے لئے گھر میں
 پیر نہیں رکھا۔ یہ چھلی فانی کے آدھی کھانے چنے کا اتنا

سامان پر باد کر دے جس میں ان لوگوں کا وصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اپنی اپنی باتوں میں جھگڑنے لگے
 اندھانے بھی باہر آئے اور بچے چلتے زور سے پرچے پھرتے تھے۔ یہ مسافروں کو خوب
 مبتی پر حاق تھا کہ ان کے پھر جڑ اٹھنا یہ کہ وہ آدھ کرانگا۔ یا گوشت۔ دھرم داس
 اہل اسلام وغیرہ کے ہمارے ہو کر کھوم کھوم کھانڈہ کھانڈے تھے کہ کسی کی کارستانی سے
 ایسا مہل ہے جلد یہ بھی تو بڑی حیرت ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں متفق ہو گئے ہیں۔
 اور اہل دھرم بھی بڑھتا اٹھتا ہے۔ اور مکان مر رہا اٹھائے ہوئے ہے۔ اس
 سارے جنگلے میں صرف ایک آدمی خاموشی سے اور وہ ہے خود رہا اٹھتا ہے
 کسی کے غلط فہمی کے ساتھ بھی نہیں کہی۔ کسی کو لازم نہیں دینا بھی کہ کتنے کسی کی خدمت میں
 ایک نرہ بھی نہیں نکلا۔ تین کیلیدی سا ہے جس میں کچھ نہیں کہ وہ بہت ہی چمکے ہیں ہزار
 کر رہے ہیں کہ ان کی کئی ہے مومن بن کر ڈال کر دیکھ سکتے تو جانید۔ لیکن اس میں ہر دفعہ
 وہ شکست اور غصہ اور خدا نہیں اس کی دونوں آنکھیں کو بار بار دیکھنے سے
 ہرگز نہیں موزا غور سے لیکن سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا ان دونوں میں ہر دلی
 کے پیچھے گریہ کا سندھ بادیٹا ہے تو ان دونوں پر تمام دنیا کو ہالے جاسکتا ہے
 ہنڈی منڈی کے اندر اسے اندر سے آکر مادی کی صورتی کے پاس
 کھڑی ہو گئی۔ اسے دیکھتے ہی خیر خواہوں کا گردہ خوب زور زور سے چھوٹا ہوتا
 کی چوہہ پشتوں کو گنگا کی شکل کو گنگا سے معرفت و ذرا سی مسکراتی۔ لیکن مسکرات
 بالکل اس پھول کی شکل سے مشابہتی۔ جسے آدمی شام سے توڑ کر اپنے
 ہاتھ میں پکڑے۔ اس سے راحت و غم۔ اسید ایم۔ ابدالی ابدالی کچھ بھی ظاہر
 نہ ہوا۔ اور یہ بھی کون جانے کہ اس ہنسی میں کچھ معنی بھی تھے یا
 نہیں۔

یعنی نے گہر کر کہا وہ نہیں نہیں یہ ہنسی کی بات نہیں اس میں تو ہمارا ہنست

تو میں اور بدنامی ہے۔ جب بھی معلوم ہو گا کہ اس کی بھارت ہے تو وہ ضرور جیلتا
 گا اس طرح اس کو مارا جائے گا۔

مقابلہ ہی میں رزاقی نے اپنی پھر کہنے لگے: یہ وہی وہی ہے اس کے اکلوتے ہیں
 ہاتھ کہ جس کے بل پر اتنا اگتے ہیں وہ ہمیشہ خود چل میں پڑ چکی ہوتا ہے۔ پھر
 بعد ازاں وہ کہنے میں مجھے کتنی دیر لگے گی؟
 سامنے کچھ بھی نہ تھا۔ وہ جس کام کے لئے آئی تھی اسے پورا کر کے چپ چاپ
 چلی گئی۔

آج تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہوا۔ ہمیشہ اس جرم میں جیل کاٹ رہے ہیں کہ انہوں
 نے قاتلوں کی طرح بھرتہ کے گھر میں گھس کر نہیں چھڑی سے لٹا چاہا تھا۔ مقدمے
 میں مدعی کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ نئے مجسٹریٹ صاحب کو مانا جانے کو اس
 طرح پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ لازم کے لئے اس طرح کے جرم کو ثابت ہی ممکن
 اور قدرتی ہے۔ اس بار سے یہاں نہیں ملے گا۔ اگر ڈکیتی وغیرہ کے ساتھ بھی
 لازم کا قتل ہے، مگر اس کے بھرتہ سے بھی نہیں ملے گا۔ مدعی جس میں نکاح ہے۔
 کہ ہمیشہ نے شک اس طرح کے مدعی کوئی جرم کئے ہیں بعد ان کے بارے
 میں اس طرح کی مدعی کوئی اجازت ہی ملتی ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے فیصلے
 میں اپنے اس خیال کے اظہار میں بھی کسی نہیں کیا کہ مستقبل میں پریس کو اس پر
 خاص اثر پڑے گا۔ کچھ چاہیے۔ زیادہ مشورہ کی گئی ضرورت نہیں پڑی۔ لیکن رگ
 سرشت دینی پر ہی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ بھرتہ وادارہ کے گھر میں گھس کر
 رہیں دینی دے آئے تھے۔ بتائیں جانتی ہوں۔ مگر پھر سے حملہ کیا تھا
 یا نہیں۔ یہ نہیں جانتی۔ یہ بے یار نہیں آتا کہ ان کے ہاتھ میں چھڑی تھی
 یا نہیں؟

جس سے کہیں اچھا ہے ؟

ایسا ہی تر ہے اچھا انا تو ایسی انکسخت پر پتھر و آجیہ نے بھرتی نہر پر
کر کے ان کا زمین ادا کیا۔ لایعجب نہ عدالت کے دہاس میں کلاوی ہو کر پھرتے
کر سکی کر تیسرا لے لیا میں چھری غنی یا نہیں۔ تو وہ اس کے کہے محسوس لے رہی
کی کرشمش کر رہی۔

تاکے دل پر لکھ بھاری (جھوٹا پڑا)۔ جسے وہ کسی طرح بھی بٹا دے سکتی
تھی۔ وہ اتنا بھاری بولہ تھا کہ کینیت تو اس کے دل نے کسی طرح بھی قبول نہ کی
کہ میں نا اہل میں جھوٹا لڑا کر نہیں آتی میں نے جھوٹا خواہ نہ ہی کہا ہے لیکن سچ
بھی نہیں کہا کیا اچھا تھا اگر اس وقت وہ یہ جان سکتی کہ سچ کہ چھپانا اتنا بڑا جرم
ہے۔ ورنہ اسے اس طرح دن رات جانا رہیگا۔ ورنہ اگر اسے بھی حیل تھا تھا کہ
بیرنگے جس قصور کے باعث تیش آپ سے باہر ہو گئے تھے۔ وہ کتنا بڑا گناہ
پہر ہی وہ میری ایک بات پر اسے معاف کر کے اور کہہ کہ میں بغیر سچے لے گئے
میری خواہش کو اتنی اہمیت دے کر اسے کہہ کہ کسی نے میرا اتنا احترام کیا ہے؟ وہ
اندھری اندر چل کر اسے کل گویا ایک حقیقت کو ایک درجہ چھائی کر دیکھ رہی تھی۔ جس
سلسلے کے خوف سے میں نے اتنا ہاتھ لگا کر فرمایا کہ وہ سچ کہاں ہے؟
وہی اور اس کے ساتھ ہی کی خود غرضیوں سے باہر بھی کہیں اس سناج کا کرنی
وہ جو ہے؟ گو وہ اس کی بیوہ بھانج کی اس کا نہیں جانتا؟ وہی کے ساتھ اس کے
اس کے لعلق کی بات کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن پھر بھی وہ سناج کے زیر سایہ آرام سے
نہی سے لہدیہ وہی ہی سناج کا مرتاج ہے۔

لیکن رتا اس طرح نہ کہ پتھر پر بھی غصہ نہیں کر سکی جو اس پرانی اہل قلم
کی جڑ تھا۔ اس کی روٹی اس کی سرکشی ہے۔ اگر وہ باہر ہی اس کا بیواہ

دکریں گے گا تو اسے ذرا تے بردہ سے ملدیں نہ پڑے گا ہر طرح کی اسلحہ
پر بھی نہ خود جس سلطہ کا رخصت نہیں چھوڑے گی۔ اسے عید غریب پھر اس عرصہ میں
دیتا ہے اس بات کو کہ کسی طرف نہیں چھوڑ سکی کہ دینی کے لئے جان و مال اس کے
لئے کٹاؤں ملتا رہتا۔

لوہا سنا سنائی دیا کہ گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ وہ نے اسے دیکھتے
ہی پہلے تو پکارا پھر منہ سے خوشی کی اور پھر آخر میں ایک طرح سے نہ ہوشی ہی
بات کر کے وہیں ابو کے سامنے نہ حاضر کیا۔ قریب ابو نے عرض کر کہا کہ کیوں
سنا تو ہم لگن کا راج کب سے تھا دیکھا ہو گیا ہے؟ کیا تم لوگوں کے کہہ رہے ہو کہ
اور صبر علی کیا ہے؟

سنان نے کہا کہ تم نے ابراہیم اور سرس کے سامنے میں اچھا کیا ہے
تو ان کے درمیان میں تو ہمارے جیسے غریبوں کے کیسے ہو گئے؟
"کیا کہہ سکتے ہیں؟" انہوں نے پوچھا تو دینی ابو نے ان کے سامنے کہا کہ کچھ دن
پچھلے سنان کی سب کچھ دینی ابو کے بیان میں پڑا تھا اس وقت ہی سنان میں وہ شام
ان کے پاس ہی رہتا تھا سنان اس کی بات پر یہ بات
سنان نے کہا کہ تم نے ابو میں نے تو خالی ہی کہا ہے کہ دوسرے کے نہیں رہتے
ان کو کچھ کہا نہیں۔

گوند نے چراستہ دے کہا کہ تم لوگ تو صرف یہی دیکھ رہے ہو کہ تم لوگوں
کی چھاتی گنتی مضبوط ہے۔ مہدیہ تو بتاؤ کہ تم لوگ ماما کا پر ساد لینے کیوں نہیں
آئے؟

لوہا نے ہنس کر کہا کہ ہماری چھاتی کی مضبوطی جو کچھ کرنا تھا۔ وہ تو
مہدیہ کی ہے۔ لیکن منبر اس بات کو چھوڑیے۔ لیکن غور ماما کا پر ساد

مہیا کہ اللہ ہوا، جب کوئی عجولی ذات مکاروں کسی برہمن کے گھر نہیں آئے گا۔
 ہم ریت تو آہیں میں بھی کہتے ہیں کہ تیار بڑا پاپ، ماکا و صندھ کر گیارہ کر پر اسخت کرتی
 ہیں۔“

یہ کہہ کر سنا سن کر اچانک شہزادہ سانس نیکر دروڑا کی طرف دیکھ کر کہا: ”ہن
 آپ ذرا ہوشیار رہنا کہ میں پیر پور کے مسلمانوں کے ایک دم پاگل بنے ہوئے
 ہیں۔ چوڑے بالوں کے پوشے پر گھبراہٹ ہو گئی ہے اور گھانا بھی جائیں۔ لیکن ابھی
 اسی دوران میں وہ رنگ درتین ہارے بڑے بالوں کے گھر کا پتہ لگا گئے ہیں۔ وہ تو
 خیریت ہوئی کہ بڑے بالوں کا سامنا نہیں ہوا۔“

یہ کہہ کر سنا سن نے زینہ کی طرف دیکھا، ایک جھپٹے سی دینی کا غصہ تباہ
 چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ سنا سن پھر کہنے لگا: ”بڑے بالوں میں درگاہ کے سامنے
 جھوٹ نہیں کہتا۔ آپ ذرا سنبھل کر بیٹے کو۔۔۔ اس کے وقت ہمیں اپنا ہرن لٹا لے گا۔
 نہ جانے کہا کون لٹا، میں بڑا ہوا۔“

دینی کچھ کہنا چاہتے تھے، لیکن ان کے منہ سے ہاتھ ہی نہ نکلی۔
 اتنی دیر بعد کہ لڑائی سنا سن نے جتنا امیر شیخہ بچے میں کہا، کیوں سنا سن
 چوڑے بالوں نے کہہ باعث شاید غم توگرا، اتنے نادان ہوئے۔

سنا سن نے ایک نذرہ لگایا، ان کی مرضی کی طرف دیکھ کر کہا: ”جھوٹ بولی کر
 ترک بن کیوں بالوں بن، یہی بات ہے۔ لیکن مسلمان سب سے زیادہ ناراض ہیں
 وہ چوڑے بالوں کو ہندوؤں کا پیغمبر مانتے ہیں۔ اللہ آپ لوگ اس کا ثبوت بھی
 دیکھ لیجئے۔ جس جعفر علی سے کوئی بھی ایک پیغمبر بھی وصول نہ کر سکا۔ اسی
 نے چوڑے بالوں کے چہل جانے کے دن ان کے سکون کے لئے ایک ہزار روپے دیے
 دیئے، آج میں تو سنا سنوں کہ مسجد میں چوڑے بالوں کے نام کی روٹائی کے لئے“

میں آگ لگھا گئی۔ اس نے کہا: اس سلسلے سے تیرے کے باعث ہی یہ سب ہوا۔
 آگ سے ملنے تم دہلی پہنچ کر کہہ دو کہ میں نے یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ زلتم زلتم ہو گیا۔
 اسی امدت جو ظہریں، ہتھیں گھر سے باہر نکالنے نہیں پڑتا۔ لیکن دروازہ دھڑ
 اٹھا ہمارا کھل گیا، اگر تیرا جی کوئی کسی دین میں پھنسے تو، غور کرو کہ ساتھ تھا کہ
 کوئی کام کرنے سے یہی حالت ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر دینی غفیرہ اور خوف کے مار سے نہ جانے کیا منہ ہمارے پیچھے رہ گیا۔
 سستہ سستہ گئی۔ وہ دینی کو خوب پہچانتی تھی۔ لیکن اس طرح کے بات چیت کے ادا
 کر کے اس سے بھی اچھڑ کر ملتی تھی۔ عقوبت یہ کہ گستاخاؤں کی کڑی اور بے رحم
 کو آگ بولہا وہ غیر مارتاں سے چلی گئی۔ اسی کے بعد دینی نے زور سے آواز دی
 اور اپنے ساتھ دو لائیں اور اپنے چھوٹی لیکر چادری طرف نگاہ ڈالتے ہوئے
 گھر کے اور خزانے سے دہلی سے چل دیے۔

(۱۶)

دستگیر نے کہا: میں پہنچ کر دوسرا کھول رہا تھا کہ بھرائی میں آواز

سے پوچھا۔

دوسرا پہلی آج کیسی عجیب سی ہے؟

تو نے ان کے لئے ایک طرف دیکھ کر اور دوسرے ہسٹلر کہا: آئی جو آج تو

ابھی ہے۔

دستگیر نے آکر اس کے سر پر ہاتھ لگائیں اور چپ چاپ اس کے سر پر

ہاتھ رکھے۔ پھر نے کہیں آج میں نے اپنے اپنے کتبے پر پڑی تھی۔

اسے نیز کسانسی کی شکایت تھی۔ سارا میرا کانہر ہی کے نام میں ہی سوجھتا کر چلا
 تھا۔ بچاؤں کے بارے کر یوں دل دہان۔ کچھ طالع کہنے کو نہ مرے۔ چاہے کئے۔ ہونے
 کو سہم نہ تھا کہ چیز کے ذرا سبز جلے سے تہا کی شش انتی میں گرنا کہ ہوتی ہادی ہی تھی۔
 عورت و شویشوری کے دل میں ایک شہر سا لگیں شک کا سایہ نہ آتا۔ ہستہ آہستہ گھبرا
 ہوتا ہوا تھا۔ وہ تہا کو اپنی بیٹی کی طرح پیار کرتی تھیں۔ اس کے اس گہری محبت
 ہی نے تہا کے متعلق اللہ کی نگاہ و اظن کو تیز کر دیا تھا۔ جس سے ایک حبیب ہم سے
 جدا ہو کر۔ دلہن آسید کے غلط چاند کا کر کے لے۔ زور و تیرش کا لکھا۔ پچھلے
 لگا۔ وہ دیکھ دیکھ ہی تھیں کہ تہا کی دونوں آنکھیں روز بروز گھبرا رہی تھیں جاری
 ہیں۔ انہوں میں کسی نگاہ بڑی تیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت دور کی کسی چیز کو پہچانتے
 ہی قریب لاکر دیکھنے کی تہا نہ رستشش ہی میں۔ اس کا یہ حال مہیا ہے۔ و شریفی و سہ

آہستہ سے کہا: "ما؟"

تہا نے کہا: "کیوں تالی جی؟"

تہا میں تو تہا ہی مائی کی طرح ہیں؟

تہا نے قطع حکام کرتے ہوئے کہا: "مائی کی طرح کیوں تالی جی؟ تو ان ہی

مہر

رویشوری نے کہا: "اگر اس کی پیشانی چوم لی، لکھا: "تو ہر بیٹی کچھ جتا۔"

کہ نہیں ہو گیا ہے؟"

تہا نے کہا: "تالی جی پیاری ہے۔"

و شریفی نے لکھا: "کہا: "مائی جی پیاری ہے۔"

نے انتہائی محبت و شفقت سے اس کے خاک ہال پر رات پیر کر کہا: "تالی
 بیٹی۔ یہ تو ان چہرے کا آئینوں سے لکھا دکھائی دیتا ہے۔ تھیں جان سے

نظر نہیں آتا۔ اگر دیکھا کہ ہو تو وہ اس دولت مجھ سے نہ چھپاؤ۔ چھپانے سے تو بیماری بھی نہ ہوگی؟

کھڑکی کے باہر بھی کبھی صبح کی دھوپ یا تیز نہ ہونے لگی تھی۔ سداۓ ہم نرم منہ مٹھالی سی مہا آہستہ کی خبر سے وہی مٹی ایسی طرف دیکھ کر کتا غوروش رہی۔ ہتھکڑی دیکھ کے بعد اس نے پوچھا: تالقی اب کب سے بیٹا لکھ گیا ہے؟

دشوتیشوری نے کہا: وہ چھپا ہے۔ مگر کا زخم بھرنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی لیکن پانچ چھ دن کے بعد ہی اسپتال سے آجائے گا۔ پھر تاکہ میرا بچہ غم کے آثار دیکھ کر کہا: بیٹی! بچی نہ کر دے۔ کئی فودت تھی ماس سے اس کی بہتری ہی ہوگی؟

تاکہ چھپتے پر صورت کے آثار دیکھ کر پھر کہا: تم پر سراج وہی ہو کہ ماں ہو کہ بیٹی میں اپنی اطلاع کے متعلق ایسی بات کس طرح کہہ رہی ہوں؟ لیکن بیٹی میں تم سے ٹھیک نہ کہتی تھی۔ مہلکہ میں نہیں جانتی۔ اس حادثہ سے مجھے تکلیف زیادہ مہربانی یا مسرت! لکھ لکھ میں جانتی ہوں کہ جوڑگ انہرم سے نہیں ڈرتے۔ مگر میں کوڑگوں سے شرم و راجت کا ہی خوف نہیں ہوتا۔ انہیں اگر اپنی جان کا اتنا خوف نہ ہو تو پھر دنیا ہی جلی کر ماکہ ہو جائے۔ اس لئے تاکہ مجھے تو میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کتا لگا دینی پر جو احسان کر گیا ہے۔ وہ دنیا میں کوئی عزیز رشتہ دار بھی ہو سکتا تھا۔ بیٹی کو کتے کو دھونے سے اس کا لنگ نہیں ہلا یا سکتا اسے لگ میں جلا کر پڑتا ہے۔

تالقی پوچھا: دیکھا اس وقت گھر پر کوئی نہ تھا؟

دشوتیشوری نے کہا: مجھے کیوں نہیں۔ سب بچے لیکن تاکہ پریش تو مار نہیں بیٹھا تھا۔ سواہ تو جیل جانے کا فیصلہ کر کے ہی جان بیچنے آیا تھا۔ بیٹی! سے کئی ذاتی رنجش تو مٹی نہیں۔ اس لئے جب اس کی ایک ہی ضرب سے دینا سہہ ہوئی ہو مگر اگر پڑا تو وہ چھپ چھپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے اندہ دار نہیں کیا۔ اس کے

علاوہ وہ چلنے لگتے یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ اب بھی قہری ہر شہر سے نہیں گئے تو خود دیکھیں (وہ)
 یاد دلوانے لگتا تھا کہ میں نے بھی یہی بات فرمائی تھی اور نہ ہو سکتی تھی

تو نے جیسے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی اللہ ہی آواز نہیں دے چکا ہے۔
 لیکن تائی جی یہاں سے یہاں کے چھوٹی فاسٹ کے آگے جی چلے تو کہیں اتنی بات نہ ملے
 ابھی تو ابھی سے پڑا ہوا تھا

وہ تیسری نے قدر سے عرض کر کہا: پٹی اپنا تم یہ نہیں جانتے کہ چھوٹی فاسٹ
 کہ وہ تیسری کا حوالہ کس نے لیا ہے۔ تھا۔ جیہاں کہ جی اٹھتی ہے تو اپنی انیس
 بج جاتی۔ دیکھ سکتی تھی اپنے ہاتھ سے اس کی چوڑی کو گرم کر جاتی ہے پھر
 نہ پٹا لگتا تھا۔ اس کی عمر تھی چھ۔ پھر وہ اس کی خوشی ہو چلا جائے تھی
 کہ اٹھ کر کہہ دیتی تھی جی سائیں نہ لگتی تھی

لیکن وہ سب سے زیادہ یہ تھی کہ وہ نے اپنا ٹھکانہ جو جانتی تو بگڑتی
 دیکھا۔ تو اسے گاڑ لگتی تھی اس کے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے کھینچ کر وہ خاموش
 رہتی تھی۔ وہ تیسری وہ بھی اپنے آپ کو سنہا لے کر وہ تیسری کے ہاتھ لگا دیتا
 یہ صرف اس میں جانتی تھی کہ اس کی والدہ کی یہ جانتی تھی۔ جب وہ تیسری کو کہہ کر تھی
 اس حالت میں اس کا ہاتھ اس کی شانہ چھو جاتی تھی۔ تو پھر وہ حالت میں تھی
 وہ میں چھو جاتا تھا۔ لیکن پھر میں چھو جاتا تھا۔ تو میں نے کسی کو کوسا اور نہ ہی
 میں کہیں کہ لازم دے۔ اس کی بات کو میں نے بھول سکا۔ یہی کہہ سکتا
 اولاد سمجھ کر وہ سرم کی سہارا لے لے کے منہ کو دیکھ کر خاموش نہ رہیں
 رہیں

تو نے کچھ سوچ کر کہا: تائی جی۔ میں تم سے محبت تو نہیں کرتی۔ مسکاتی
 اگر میں بات ہے تو پھر تمہیں بتایا کس گناہ کے باعث اتنا لڑکھاتا ہے۔ ہیں

ہیں، ہم لوگ ہی کوشش کر کے انہیں چمکائے ہیں۔ یہ تو کسی بھی پرانی
تجربہ کار

تائی بی نے کہا، نہیں ہوتی۔ یہ بات نہیں کہیں سے پوشیدہ نہیں، اس نے
تو آج دینی ہسپتال میں پوچھا۔ اگر دہلا ۔

یہ اگر وہ اچانک دیکھ لیں، سرجنات ان کی زبان کھانچ لیں۔ اُسے زبردستی
افدہ نکالیں کہ وہ نہیں جانتی، یہ جانتی ہو جاتی۔ کئی محرم کو ملی ضائع نہیں جاتا۔ مٹی میں نہیں
مل جاتا۔ اس کی طاقت کہیں نہ کہیں جا کر پناہ لے کر کھینچے۔ لیکن ہر وقت
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے کر لے۔ اسی نے تو ان کو اس مسئلہ کا تسلیی نصیب
نہیں دیا تھا۔ تو وہی کے پاس جا کر نشست دوسرے کو کہیں کہا پناہ لے لیکن
اس بات پر کچھ لکھ نہیں لکھ سکتا تھا کہ اس نے اسے مراد پڑا ہے۔

تو اس نے اپنے جوتے اتار کر بیٹھے۔ ایک ٹھکانے والی سامانی۔ ہوشیار
کہنے لگیں، اس سے میری بھی آگے نہیں کہیں کسی میں۔ ہم وہاں کر رہے ہیں۔ گھنٹے پہلے
کہہ دیا تھا، نہیں کیا جاسکتا۔ شروع نہ بہت سی جھڑپیں جھڑپیاں پاد کر رہے
کہ غلبہ ہو گیا ہے۔ ایک دن ہمیں انہیں مہر کو جوتے پہنے دیا، مگر تائی بی۔ ان
لوگوں کی جھڑپیں میرے لئے نہ ہو گئی۔ اسی لئے میں جہاں سے آیا ہوں وہیں چلا
جاتا ہوں۔ اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ نہیں چنا، مگر تم نے کلام شروع کر دیا
کیا ہے۔ تو اسے چھوڑ کر نہ بیٹھا۔ میری بات تو کہ کسی طرح ٹال نہیں سکتا۔ اسی
لئے جس دن میں نے سنا کہ اسے جیل کا حکم ہو گیا ہے۔ اسی دن مجھے ایسا معلوم ہوا
کہ وہاں میں نے ہی اسے ذہنی دھر پڑ کر یہ مراد دی ہے۔ لیکن اس کے بعد میں
ان لوگ تو ہیں کہ ہسپتال نے لکھا۔ اس دن پہلی بار معلوم ہوا کہ وہیں۔ یہ بھی جیل
جانے کی صورت تھی۔ اور پھر ہوشیار تو تعلق نہ لگتی۔ کہ باہر سے دوڑے ہوئے

عجیبی کرنے میں اتنی مشکلات ہیں اور یہ کام اتنا مشکل ہے یہ بات تو کبھی سوجھی
 ہی نہ تھی کہ پہلے سبب میں مل جانا چاہیے۔ جب پہلے قسے سبب کاموں میں مل کر آئی
 دیکھ رہے ہو جائے۔ اس وقت تک وہ کسی طرح عجیبی نہیں کر سکتا۔ وہ شروع ہی سے
 اپنی تعلیم، خیالات، اعمال، عادات، اور حالت اور ماحول اور وسیع دل، نیکر اتنی عجیبی پر آکر اچھا ہوتا
 کر آؤنگ کر لی اس تک پہنچ ہی نہ سکتا۔ لیکن یہی۔ یہ تو میں دیکھ نہیں سکتی۔ یہاں لے
 اسے جانے بھی نہ دیا اور اسے رکھ بھی نہ سکی۔

کہا لے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن وہ لگتی۔ وہ شوشہ خیم اس کا اندازہ کر کے کہا: نہیں
 تو میں اس کے لئے پھیلتی نہیں لیکن مٹی اقم منکر نما میں نہ نہنا لیکن میں ہا جو
 تم لوگوں نے ہے اس کو پہچانی ہے اس ہندی سے۔ نیچے دکھا کر لوگوں کے ساتھ دلا دیا
 ہے۔ اس میں تم نے نوہ کتا ہی بنا ظلم کیوں نہ کیا ہو۔ لیکن میری بھی میں ہوسے زور سے کہتی
 ہوں کہ اس مرتبہ جب وہ لوٹ کر آئے۔ وہ فرائض حقیقت کا احساس نہ کر سکا۔ وہ حقیقی
 سچائی کو دیکھ رہا تھا۔

تو اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اس نے پوچھا: لیکن تالی جی اس سے روکنے
 کیوں آئے انہیں گئے؟ ہم لوگوں کی بے انصافی اور ظلم کے باعث انہیں خواہ کتنی
 ہی تکلیفیں کیوں دے اٹھائی پڑیں۔ لیکن سادھی بہنیاں تو میں ہی نہ کہ
 کے اندھیرے گہری میں دکھائی ہیں گئے۔ انہیں ہماری بہنیاں کیوں چھوڑنے
 لگیں؟

وہ شوشہ خیم نے انہیں ہنسی ہنسی کر کہا: جی چھوٹی کے کیوں نہیں؟ وہ
 گناہ اتنا خوفناک کیوں ہے؟ احسان کا بدلہ احسان مر تہیہ۔ لیکن اگر کوئی احسان
 کے عوض احسان نہ کرے بلکہ لٹا ہائی ہی کرے تو اس سے بھی کیا آتا ماتا ہے۔ اگر
 اس کی احسان نامتناہی فحش کو بھی نیچے نہ گھسیٹ لائے؟ یہی۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ

دیش جب روئے تو تو سب کو انہوں پر گاہڑا کے پیر چلے ہی جیسا پائیکا ہنسی
جب وہ اپنے گھر میں گیا تو قہقہہ لگے کہ میں نے اپنے گھر کو ان دینا پیر کا
اور انہوں نے پیر کو گھر کے دروازے پر پہنچا دیا کہ میں نے انہیں گھر
پر لایا ہوں کہ یہ بھی بہتر ہے تاہم ان کے منہ پر ہنسنا تھا کہ انہوں نے
کسی طاقت جب اس کا نام لیا تو ان کے منہ پر ہنسنا تھا کہ انہوں نے
نئی نئی باتوں کا نام لیا

یہ کہہ کر دشمنانہی نے علی علیہ السلام کی سنا کہ یہ ملک ان کا ہوا ہے کہ جب
چاہا تو وہ ملاتی رہی وہ چیزیں وہاں بہت ہی مدد دے گی ہیں۔ اچھا
تالی ہی، جو علی کو دے گی۔ اسے کہ کسی بے مقصد کو عزت دے دے گی کیا
مترجم

دشمنانہی نے کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے دنا کے دریاں باؤں پر ہاتھ
پھیرتے پھرتے اچانک دیکھ کر اس کی طرف انہوں کے گھوڑے آئے اور وہ بہت
رہے ہیں۔ انہوں نے جیتے ہوئے انہوں کو پرکھنے کے کہا۔ لیکن جی میں
مہترانہ کوئی ہاتھ نہ تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ کاٹ دیا
مگر تم پر ظلم کیا ہے۔ اس کی عزت کا تمام امان کے سرے۔ بیٹی انہیں تو اس کا کہہ
ہیں جو نہ انہوں نے ہاتھ لگا دیا

یہ کہہ کر دشمنانہی نے پیر دنا کے آئینہ پر کھینچ دیا۔ لیکن اس قسطنطین ہی سے
دنا کے دنا کے ہاتھ کے آئینہ چھڑنے کی طرف بہت نکلا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا لیکن
وہ لگ تو ان کے دشمن ظہر سے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ پاسے جس طرح ہو۔
دشمن کو مار دینے میں کوئی ہرجا نہیں۔ لیکن تالی جی، میں تو یہ صفائی
نہیں دے سکتا۔ تالی گھٹا نے کہا۔ کیوں پہلی۔ تم یہ صفائی

کیسے نہیں دے سکتیں؟

یہ بوجھ کر چیخا ہی تائی جی نے نظر کیجئے یہی دھانک دکھائی انکھوں کے سلسلے
 کو یا بجلی ٹھیکس لگئی۔ اتنے دنوں تک جو ٹھیک منہ پر پروہ ڈالے ان کے دل میں پوٹنی
 آگیا کہ ہمارا کیا حال ہے۔ وہ گریا آج نقاب اٹا کر چیک کر کے دیکھ سائے کہ کیا ہو گیا ہے آج اس
 بھائی کو شوشی دے دی کہ وہ ہر گز نہ سہیجے کہ وہ ہر گز نہ سہیجے کہ وہ ہر گز نہ سہیجے۔ اب تائی کے دل کا
 دروہان کے چہرہ ہنسنا۔ دھانکے انکھیں ہڈ کر دیکھی تھیں اس لئے وہ شوشی دے دی کے
 چہرہ کے جذبات پر وہ نسل اس نے پوچھا۔ تائی جی

تائی جی نے مختصر ہو کر اس کے سر کو دھانک دیا کہ کیا ہے؟

دھانکے تائی جی آج میں ہمارے ساتھ ایک باریک بارہا دکھائی کرتی ہوں۔
 پیر پیر کے جھڑکی کے گھر میں شام کے بعد چائے کے سبب لڑکے کی کر دیتی تھی
 کے گھر کے سٹاپ جی اچھی اچھی بالائی پر غصہ فکد کیا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے ہاں
 چلے ہی تھی کہ ابھی دروازوں کی لڑی کہہ کر انہیں کے حوالے کیا جاسکے اس پر
 میں نے اپنا ہوشیج کر نہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ میں نے یہ پوچھی تھی کہ نہ ہاتھ آ
 جائیں تو انہیں بھی نہ چھوڑا جاسکے۔

وہ شوشی دے دیات سن کر انہیں دیکھا کہ یہ تم کیا کہتی ہو؟ کیا جی سارے
 کٹوں میں دیکھیں کہ انہیں کو خواہ مخواہ ہی بلانا ہوتا ہے؟

تائی جی نے کہا کہ میں تو کہتی ہوں کہ جسے بھیا کہ جو یہ غلطی ہے۔ یہاں تک کہ بھیا ہے۔

لیکن تائی جی کیا تم اس کے گھٹے سعادت کر سکتی؟

وہ شوشی دے دی نے جبکہ کہ سائی پٹلی جیم لی ادھار دے رہا تھا اس کی اس مہمان
 کے باعث میں اس کے لئے تھیں سعادت ہو کر سولی کواد کر کے گئے تھے۔ میں تو مختصر
 دیتی ہوں کہ بھگوان تھیں اس ہا ٹیک اجڑیں

ڈانے اچھے ہاتھ سے آٹھیں پوچھ کر کہا "ٹائی جی مجھے تو میں اسی بات سے
اطمینان ہے کہہ رہے ہیں اگر دیکھیں گے اس کی راحت تو میدان تیار ہو گیا ہے۔
وہ جو کچھ چاہتے تھے وہ ہو گیا ہے۔ ان کے دلش کے غریب کسانوں کی چند
لڑکی تھیں۔ وہ اب وہ بہتر ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں پہچان گئے ہیں اب ان سے
عجبت بھی کرنے لگے ہیں۔ تائی جی کیا اس عبت کی خوشی میں وہ میرے ہمدرد بھی
نہ نہیں گئے؟"

دشوریشوری کچھ نہ کہہ سکی۔ صرف ان کی آنکھوں سے ایک پناہ پانی نکلا
کر تبا کے دھار پر جا گیا، اس کے بعد بہت دیر تک وہاں خاموش رہی۔ آؤرتا
نے دیکھا۔

۔ تائی جی

دشوریشوری نے پوچھا "کیسے ہوئی؟"

تبا نے کہا "صرف ایک ہی جگہ ہم دونوں ایک دوسرے سے مل سکے۔"

تائی جی تم نے ہم دونوں کی ملنے والی جگہ کی عبت کی؟"

دشوریشوری نے پھر عبت کو اس کی پیشانی پر جمائی۔ اس کے زور پر

تبا نے کہا "آج کل ہمارے دل کی وجہ سے ہم دونوں کی باتیں ہوتی ہیں۔ اس کے زور پر

معاذت نہ کر سکتا۔ تائی جی، اتم میری طرف سے ان سے عبت کرتا کہہ دیا کہ وہ مجھے بھی

بڑی سبک سے ہیں اتنی بڑی ملتی۔ اب میں نے انہیں عبت دیا ہے۔ اس سے

کہیں زیادہ فائدہ میں نے بھی پایا ہے۔ اب اس سے عبت کرنا اس بات پر

یقین کر لیں۔"

دشوریشوری نے تبا کو زور سے پیٹنے سے لپٹا لیا۔ اب وہ بڑی۔ پھر کہا "میرے

بڑے۔ ہم کسی تیرے میں چل کر رہیں۔ جہاں تیری ہو نہ رہیں۔ اب وہ جہاں

آگھیں اٹھانے ہی جھگڑوں کے سلسلے کی چوٹیاں دکھائی دیں۔ بیٹی۔ اگر تیرا اس دینے
 غصت مرنے دن قریب لگیا ہو تو چیری نہر بیٹھ ہی چھپنے چھپنے سے کہہ دے کہ ملے نہ
 چاہا جاسکے گا۔ ہم دیکھ رہیں گی اللہ طہریں وہاں جانے کے وقت ہمیں اس سے آواز ہو کر
 ہی جانا پڑے گا۔

بہت دیر تک چھپ چھپ رہے تھے کہ بعد نماز تکبیر پہلی ٹھٹھکی راسخاں دے گئے
 ہرے سر ہاتھ اٹھائی کہا کہ کالی جی میں ہی اسی طرح ہانا چاہتی ہوں۔

شاید رعیش کے لئے اپنی ہم نشین خندوں میں اس بات کی اسید کرنا بھی ممکن نہ
 تھا کہ چلنا نہ لے دیواروں کے باہر جھگڑوں نے ان کی تمام تکیا بیچ کر اسی طرح معذور
 باندھ کر لے گا انعام کر دیا ہے۔ بچے بیچنے کی تہذیب سمجھنے کی سہولت کا۔ بچے کے لبر نہ ہوا
 ہو کہ باہر نکلتے تو رعیش ایک ایسی بات دکھائی دی۔ جس کا وہ کبھی فہم نہ رہی نہ کہ
 سکتے تھے۔ خود دینی کو مثال نہ رہے چار لپٹے سب سے آگے کھڑے تھے۔ ان کے
 بچے دونوں کھڑکی کے باہر پھڑکتا اٹل لپٹا اور ان کے بچے بہت سے ہند
 اور مسلمان رعیش نے رعیش کو خوب زور سے لگا کر نظریہ نہ دے رہے تھے
 کہا۔ سید رعیش۔ اب ہمیں ہار کے پتے چاہیے کہ لون کی گشتیں کیا جوتی ہے اب
 وقت ہم نے یہ بات جان کر ہی نہیں جانتی چاہی کہ بد کہہ کی لڑکی اس عامر اس
 اچانک اپنے ہاتھ میں کر کے اس طرح کی دھمکی کر گئی۔ اللہ لا ین شرم چھوڑ کر خود عدالت
 میں جھوٹی گواہی دے کہ ہمیں اتنا لکھ دیں۔ جہاں نہ بچے اس کو سزا بھی
 خوب دی۔ بلکہ جہاں رعیش ابھی ہیں انہیں اچھے تھے۔ میں تو باہر رہنے پر

جی نہ جیسے بھرگ میں جلتا ہوں۔

تجربہ کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیا کہیں اور گیا نہ نہیں اسی لئے نہ حیران و
ششدر ہو کر دیکھتے رہے جیڈا سٹر پانڈے جی خدین پر لیٹ کر ڈنڈا کر کے ان کے
نڈیوں کی خاک چیشنی پر لٹکائی۔ ان کے پیچھے جوڑ گئے۔ ان میں سے کوئی آئے بڑھ کر
آئیر واڈو بیٹا تھا۔ کوئی سلام کرتا تھا اور کوئی پنام آدنی کے آلو کسی طرح دیکھنے
ہی نہ تھے۔ انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کہا: بھائی! اب اپنے بڑے بیٹا پر
رد لے نہ ہو واد گھر چلو سال تو دلی رتلی اندھی ہوئی جا رہی ہیں۔

سامنے گھر ڈاکھاڑی پتار کھڑی تھی۔ تجیش بھر کچھ کہے چپ چاپ اس میں
سوار ہو گئے۔ دینی نے ان کے سامنے کی نشتر پر بیٹھ کر اپنے سر کی چادر اتار ڈالی۔
زخم خشک ہو جانے پر چوٹ کے نشان صاف دکھائی دیتے تھے۔ تجیش نے متحیر ہو کر
پوچھا: بڑے بیٹا، یہ کیا ہوا؟

دینی نے ایک بسی سانس چھوڑ کر دایاں ہاتھ اٹھ کر کہا: بھائی! الزام کہے
ووں؟ یہ سب میری ہی کرنی کا پھل ہے۔ اور میرے ہی پاؤں کی سزا۔ لیکن اب
اسے سٹکار کیا کرو گے؟

دینی اپنے چہرے پر گہرے غم کی جھلک پیدا کر کے خاموش ہو رہے اور ان ہی
کے منہ سے نکلے ہوئے اس قسم کے اقبالی اقبالی نعروں سے ریش کا دل بے حد
متاثر ہوا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ کوئی دست خیز نہ ہوئی ہے۔ لیکن انہوں نے معلوم
کرنے کے لئے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ جب دینی نے دیکھا کہ جس بات کے لئے یہ طریق
متمید اندھی گئی تھی وہ تو اپنی دبا ہوا جانتی ہے تو وہی دل ہی دل میں جھٹ
پٹنے لگے۔ ایک دھمک خاموش رہنے کے بعد انہوں نے پھر ایک گہری سانس
کھنکھریعہ زمین کی توجہ اپنی طرف منصطف کر لی۔ اور پھر آہستہ آہستہ گھٹنے گئے۔

شروع ہی سے مجھ میں یہ نقص ہے کہ میں دل میں گولی بات لکھ کر منہ سے کوئی اور
 بات نہیں کہہ سکتا۔ دوسرے لوگوں کی طرح اپنے دل جذبات چھپا کر نہیں لکھ
 سکتا۔ اسی لئے نہ جانے مجھے کتنی سزا جھلکا پڑی ہے لیکن پھر بھی مجھے ہر مشق
 نہیں آتا۔

جب قہنی نے دیکھا کہ قہش سب باطنی شیب یا پٹن سے ہیں۔ تو وہ اپنے
 لہجے کو اور بھی نرم اور سنیں بنا کر کہنے لگے "میرا قصور یہی تھا کہ اس دن میں اپنے
 دل کا دکھ کسی طرح دبا نہ سکا اور دوسرے کو دکھ چھپا کر تمنا آخرم لوگوں نے ہمارا
 کیا کیا ہوتا ہے کہ ہم سب کو تم نے اس طرح ہم لوگوں کو تباہ دیا اور کڑا لایا
 ہے۔ ہاں سبھی کی کہ قہش کو ہزاروں گنی تو وہ جان ہی دے دی تھی۔ ہم بھائی بھائی جانا
 کے لئے وہ جھگڑا ہی کریں، خود لپٹ لپٹ کر رہیں۔ پھر بھی وہ میرا بھائی تو ہے۔ لیکن
 تم نے تو ایک ہی بار میں میرے بھائی کو بھی مارا۔ بعد میں ہی اس کو بھی لیکن بے تصور کہ
 بھوان ہیں!"

پھر قہنی نے گناہی کے باہر جڑواں لایا۔ اسی کی طرف لپٹ کر گویا پھر ایک بار
 بھوان کے سامنے لڑائی۔ قہش اس کی اس نرمی میں گناہی تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہاں
 دل بھانسنے لگے۔ قہنی نے قدر سے لکھ لکھ کر قہش اس وقت کی ساری غصہ مار
 سوتی کا وہ بیان اس نے ہی اب بھی چھپا کر اپنے لکھا ہے۔ اس نے دھتکے میں گویا
 کیا قہش کے باپ میرے باپ کی بیٹی چھپا کر چائے لگے، دوسرا وہ
 چھپنے لگے تو کیا چھپو دھتکے، ہر وہ کہہ کر دھتکے کا اتنا دھتکے بڑا دھتکے چھپ کر ہاں لکھا ہے
 نے ہم نے بھی سے میں کہہ کر دھتکے چھپا کر قہش میں سے کیا ہے اس کے بعد کہ
 غور مہما

رہی تک قہنی کی سب دین رکھیں پورے دل سے نہیں سن رہے

تھے۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کب میرے باپ نے دماغ کے باپ کو میل بھیجے کی کوشش کی تھی باپ انہیں یاد آگیا کہ جب میں یہاں آیا ہی تھا تو یہی بات دماغ کی مڑسی کے مزے سے سنی تھی ماسی نے اس سے آگے کا حال پوچھنے کے لئے وہ بے مد مضرب ہو گئے۔ دینی نے کہا: خون ذرا بہ کر لے کی تر سے خوب مشق لٹھری ابکیر نہیں یا نہیں تو اس نے ابھر کھیت کو بھیجا، لیکن تم سے تو انکی جالا کی نہیں ملی۔ بلکہ مٹا نہیں نے اسے سین نکھادیا پھر مجھے تو تم دیکھ ہی رہے ہو اور اب پتلا نکلی ہے۔ اس کے بعد دینی نے کچھ سوچ کر پھر سے روکے کا فرضی حل اپنے لیاہ دل سے نکال کر اور جرب زبانی سے خوب بنا ملزار کر کے سنایا۔

تمیش نے سامنی روک کر کہا: "اس کے بعد"

دینی نے اس پر سر ہاتھ سے ہنس کر کہا: اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ مجھے یاد کیسے رہ سکتا ہے بھئی! میں کچھ بھی نہیں جانتا کہ کون کس طرح سہیل لے گیا، وہاں پہنچنے پر کیا ہوا تو کس نے میری دیکھ بھال کی مدد میں دن اور شب ہوش آیا تو دیکھا۔ میں ہسپتال میں پڑا ہوں۔ تمیش اس بار جو میری جان بچ گئی ہے۔ تو صرف اس کی دوا سے۔ جیلا ایسی ماں اور کسے نصیب ہے تمیش!"

تمیش آگیا بھی نہ سنا سہیل کے۔ دوکان کی مورتی کے ہاتھ بیٹھے رہے۔ ہاں۔

ان کے روزانہ راتوں کی دسویں انگلیوں اتنی ہلکے اور پھڑکی طرح سخت ہو کر مٹھی میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کے سارے میں شے اور لفظ کی جاگ مٹنے لگی۔ اس کا انجام جانتا ہی ان کی حلقہ میں نہ رہا۔ وہ جانتے تھے کہ دینی لکنا برا آدمی ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کیا کرنی کام نہیں چاہیے نہ کر سکتا ہو۔ تاہم ان کی تجویز ایسا نہ تھا۔ کہ وہ معلوم کر سکیں کہ دنیا میں کبھی کوئی آدمی اتنا جھڑا اس طرح بے ہوش کر کہہ سکتا ہے ماسی نے انہوں نے رات کے تمام مفوضہ جرم ٹھیک مان لئے۔

ان کے رٹ آنے پر تمام حضاروں میں ہلنوار سا شروع ہو گیا۔ دودھ مارا، دوپہر لکھ
 شام کو بہت سے لوگ ان کے پاس آتے تھے۔ اور طرح طرح کی باتیں کر کے
 ان سے انتہائی اخوت و محبت کا اظہار کرتے تھے۔ اپنے جل میں رہنے کے متفق
 جو نفرت ان کے دل میں بک رہی تھی۔ وہ صوبہ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہو گئی، اس میں
 شک نہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں اس پاس کے تمام دیہات میں ایک بہت بڑا سماجی
 رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ سماجی تعلقات کا چترہ بنے لگا تھا۔ لیکن جب وہ اس بات
 پر غور کرنے لگے کہ ان چند سی مہینوں میں اتنا بڑا تغیر کیوں کر ہو گیا تو انہیں معلوم
 ہوا کہ وہی کی مخالفت کے باعث جو طائفہ قدم قدم پر حرکت کر رہا تھا اسی طرح نہیں
 کر سکتی تھی۔ وہی اب ان کی مخالفت کے باعث وہ چند پوش سے اپنا کام کر رہی
 ہے۔ آج انہوں نے وہی کو کچھ اور بھی اچھی طرح پہچانا، اس آدمی کو اس طرح بدکردار
 جان کر بھی گاؤں کے سب لوگ اس کی بات کس طرح مانگتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے
 جتنی صاف آج دیکھی۔ ایسی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک ایک
 کر کے سب آدمی انہیں یہ بھی بتا گئے۔ کہ ان پر جو ظلم ہوا ہے۔ ان سے جو بے انصافی
 روا رکھی گئی ہے۔ اس سے گاؤں کے سب لوگوں کو ہمدرد ہو چکا ہے۔ ان سب لوگوں کی
 ہمدردی اور وہی کی حمایت حاصل کر کے صورتِ اندویش سے ان کا دل جیسے اچھلنے
 لگا۔ ان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ چھ بھینے پیلے جن کاموں کو شروع کر کے اپنی چھوڑ
 کر چڑھا ہوا بڑا نقاب پھر پوری طاقت سے انہیں کھل کرنے کا فیصلہ کر کے تھیں خود
 بھی اس طوفان میں بہہ نیتے سب جگہ آنے جانے لگے اور سب باتوں میں لوگوں کی
 کہنچ خبر لینے میں اپنا وقت صرف کرنے لگے۔ صرف ایک ہی موضوع ایسا تھا۔
 جس سے وہ پوری پوری توجہ مبذول کر کے اپنے آپ کو دھڑکتے تھے۔ اور وہ
 تھا کہ ان کا ذکر انہوں نے راستے ہی میں سن لیا تھا کہ دما بجا رہے۔ لیکن انہوں

لے یہ کبھی نہ ماننا چاہا کہ اسے کیا بیماری ہے۔ اور وہ بڑھ کر کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ ان کا یہ پختہ خیال تھا کہ میں نے اپنے آپ کو دتا کے ہر قسم کے تعلقات سے جھڑوا رکھا، اب تک لگ کر رہا ہے۔ مجھ کو میں اتنے ہی انہوں نے رگوں کے مزے سے مشغول رہا تھا کہ صرف دتا ہی ان کے سب دکھوں کی جڑ ہے۔ اسی شباب اس بارے میں بھی انہیں کوئی شک نہ رہا کہ دینی نے جو کچھ کہا تھا۔ جھوٹا نہ تھا۔

پانچ چھ دن بعد دینی نے ریش کر گھیرا۔ پیراپہ کی ایک بڑی جائداد کے بارے میں دتا کے ساتھ بہت دنوں سے ان کا کچھ جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ اس اچھے موقع پر اس جائداد کو ہاتھ میں کر لینا ان کا مقصد تھا۔ دینی اور پر سے خواہ کچھ نہیں لیکن دل میں دلتے فرتے تھے۔ لیکن اب وہ چار پڑی ہے۔ معاملہ مقدمہ کو نہ سکے گی۔ مادہ پیراپہ کی مسلمان۔ عایا بھی ریش کی بات نال نہ سکے گی۔ داسی نے یہ سبق کر گزرا۔ بندہ چل کر کچھ بھی ہو اس وقت دتا کے دخل کرنے کا اچھا موقع ہے۔ وہ ریش سے صاف بچے۔ جب ریش نے اسے نامعلوم کر دیا تو دینی نے طرح طرح کے دلائل دینے کے بعد آخر میں کہا: تم سے یہ کام ہو گا کیوں نہیں؟ اس نے نہیں مٹھی میں پا کر تم سے کب رعایت کی ہے جو ان تم یہ سوچتے ہو کہ وہ چار پڑی ہے؟ جب اس نے نہیں بل بھی تھا تو کیا تم کچھ بھارتی تھے؟

دتا بالکل درست تھی۔ ریش اس سے انکار نہ کر سکے۔ لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں ان کو دل دتا کے خلاف جانے کے لئے رخصت نہ ہوا۔ دینی کی ہزاروں تبلیغ اور پرورش ہاتھ پر بھی حریفی انہیں یہ دیکھنا آتا تھا کہ دتا اس وقت قابل رحم حالت میں ہے۔ زمان کے تمام مخالف جذبات کا سہارا سمٹ کر ایک معمولی قطرے میں سما جاتا تھا۔ اور اس کی صفائی نہیں دھو نہ دے نہ ملتی تھی۔ ریش خاموش رہ گئے۔ یہ جان کر اس سے کام نکالتا ہے۔ دینی صبر بھی کرنا جانتے تھے۔ اسی لئے اس وقت اور زیادہ صبر کرنے کی بجائے وہ بچے گئے۔ اس اور ایک چیز نے ریش کی توجہ اپنی طرف خاص طور پر

بیٹا۔ یہ وہ پہلے سے جانتے تھے کہ دشویشوری کے دل میں دنیا کی جاہ نہیں لیکن
 ہی بارہوی سے آئے پر انہیں اس میں کچھ اور ہی تغیر محسوس ہو جس دن جیل سے
 اہر کر دھوپنی کے ساتھ ان کے گھر گئے تھے۔ اس دن دشویشوری نے بے حد مسرت
 ماہر کی تھی اور غبت آمیز چہرے میں آمیزہ دہیے تھے۔ لیکن پھر بھی نہ جانے ان
 سب میں کون سی ایسی بات تھی جس سے انہیں کچھ تکلیف ہی ہوئی۔ آج اچانک
 تو باتوں میں انہوں نے ساگڑ دشویشوری کا شہی کی رہائش کا عزم کر کے جاری کیا۔
 دراب واپس نہیں آئیں گی۔ یہ سن کر وہم تک آئے۔ مگر پھر پانچ چھ دن سے بہت
 سے کاموں میں بھٹنے نہ جانے کے باعث ان سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ لیکن جس دن
 پہلی سختی اس دن دھڑوں نے کوئی بات نہیں کہی اگرچہ وہ جانتے تھے کہ اپنی طرف
 سے اپنی یا کسی کی دست پر غصہ ہی ظور کر رہی تھی انہیں غصہ نہیں لیکن جیسا انہوں نے
 جاس اس کی اس خبر کے ساتھ ہی اس دن کی یاد کو پاس پاس آگئے۔ ان کے سامنے دکھ کر ہونہ
 کرنا تو انہیں دشویشوری کے اس خیال کا معلوم معلوم ہو گیا۔ اب انہیں اس بات میں
 زبردستی شک نہ رہا کہ کوئی جو واقعی رخصت ہو رہی ہے۔ جب انہوں نے یہ سوچا کہ
 نالی جی کا یہاں نہ رہنا لگتی ہو یہی کہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اب
 دلچسپ ہر کی بھی وہ دیکھنے ان کے یہاں جا پہنچے۔ اس وقت نو سو بجے ہو گئے۔ گھر
 میں داخلہ ہونے ہی کو کوئی نہ بتا یا کہ نہ کہہ ہی پڑی "کئی میں۔" رئیس نے جیہ نہ ہر کر
 پرچھا۔ اس وقت ہا

کو کوئی بہت دنوں کی ملازم تھی اس نے مسکاکہ کھانا کھلا دیا جی کے لیے وقت اور
 بے وقت کیا اور پھر ان کے سامنے کھائی کا بند ہے۔

جنت کا بندہ پھر بھی نے جہان ہو کر کہا۔ لیکن کسی کو خبر ہی نہیں! "

خانہ نے کہا۔ انہوں نے کسی سے کہا ہی نہیں۔ اور کہا بھی ہوتا ہوتا ہو کر گئی

ان کے بیاں کھانے کو نہ جانتا مگر اپنی کوٹیاؤں نے ذاتِ بدلتی سے حاضر کر رکھا ہے۔
 رعیش کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد انہوں نے اس کی بچہ
 پوچھی، تو خادمہ نے شرم سے گھٹن پھیر کر کہا: ”کیا رعیش چھوٹے بالوں والی اور چھوٹے
 بڑی بدنہی مولی ہے نہ اہم تک غریب آدمی ٹھہرے۔“ اس سب باتوں کو سنا کر رعیش نے
 یہ کہہ کر خادمہ ورن سے کھسک گئی۔ ”کوہِ ریت تک چپ، چپ کھڑے رہنے کے بجائے رعیش
 گھوٹ اتنے۔“ انہوں نے فوراً یہ کہہ لیا کہ یہ کہنے والی زانیہ کا ہاتھ ہے لیکن اس کا ٹھیک
 ٹھیک اندازہ کتنا بھی ان کے ممکن نہ تھا کہ ان کا اندازہ کس راستے کے لئے ہے۔ مگر اس دہائی آندہ
 کی نگہیں اگلے انہوں نے دہائی بدلتی کو نام کیا ہے۔

(۱۹۱)

اسی دن تیسرے پہر ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا کہ بدلت
 کے فیصلے کی بجائے رعیش کی حیرت اور شیخ سرتی ہار اور ان کے اپنے سیر کا نفاذ اور رعیش کے
 پاس کے رعیش نے حیرت سے پہچان لی تھی اس واقعہ کو مانو گئے بھی؟
 مدنی احمد علیہ ورن نے جواب دیا: ”ایسی جگہ کہیں نہیں ملو گی، بھلا کچھ سے
 آپ کا علم اور عقل کس بات سے آگاہ ہے اور کچھ حاکم اور شہر جو ہم ہوتے ہیں۔“ جواب ہی
 جیسے سچے آدمیوں جیسا ہے۔ تو یہ ہے کہ میں نے اس کو اگر آئیں سب رکاری نوکری
 کرتے حاکم ہو جائیں اور ہم لوگوں کے مقصد کا اظہار کر کے آئیں۔“ جواب کا رد
 فیصلہ ہی تو نہیں مانا پڑے جو اس وقت وزیر کے سے کام نہ چلے گا کہ آپ کا فیصلہ نہیں
 مانیں گے؟

یہ سب رعیش ہی دلی فخر و مسرت سے لہریز ہو گیا کھیلانے لگا۔ آپ کو کچھ دیر ہی آدمی

اپنی اپنی بات اچھی طرح سمجھا سکیں گے۔ لیکن عدالت میں تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ اندھیرا ہوا جی ایک بات یہ بھی تو ہے کہ جب ایک دکان دیکھیں تو منشی بھر رو پے گروہ سے لگا کر نہ دیئے جائیں۔ اس وقت تک کام ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں ایک پیسے کا بھی خرقہ نہیں۔ نہ تو دکانوں کی خوشامد کرنی پڑے گی اور نہ عدالت تک دوڑ دوڑ کر پاؤں توڑنے پڑیں گے۔ تو بالو جی، آپ جو حکم دیں گے۔ وہ خواہ اچھا ہو یا برا ہم لوگ مان لیں گے۔ اور آپ کے چیلوں کی دھول مانتے پر لگا کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے۔ بھگوان نے ہم لوگوں کو اب عقل دی ہے۔ اسی لئے عدالت سے لوٹ کر آپ کے ناموں میں آئے ہیں۔

ایک چھوٹے سے مالے کے بارے میں ان دونوں کا جھگڑا تھا۔ اس معاملے میں جو کچھ معمولی سی دستاویزیں اور دوسرے کاغذ تھے۔ وہ سب انہوں نے ریشمیش کے سپرد کر دیئے۔ اور دوسرے دن صبح آنے کا کہہ کر چلے گئے۔ ریشمیش خاموش بیٹھے رہے۔ یہ واقعہ ان کی حد تصور سے پرے تھا۔ انہوں نے مستقبل بعید میں بھی اس خیال کو اپنے ذہن میں حکم نہ دی تھی۔ ان کا فیصلہ مانی یا نہ مانی لیکن آج یہ لوگ سرکاری عدالت سے باہر جھگڑا طے کرنے کے ارادے سے راستے سے لوٹ کر میرے پاس آئے ہیں۔ اسی ایک بات نے ان کے دل میں مسرت کا چشمہ جاری کر دیا۔ اگرچہ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن ان کے دو معمولی آدمیوں کا بہت ہی معمولی جھگڑا تھا۔ پھر بھی اس معمولی سی بات کی بنا پر ان کے دل میں کئی امتحانات کے دلکش کھیل کھیلنے لگے۔ اپنی اس بد قسمت اور وطن کے لئے مستقبل میں وہ کیا کیا نہ کر سکیں گے۔ اس کا گویا وہ کوئی حساب شمار ہی نہ کر سکے۔ باہر موسم بہار (بہشت) کی پڑ فزا ہوا سے نغمہ مہک رہی تھی۔ باہر کی طرف دیکھتے ہی اچانک انہیں راما کی یاد آگئی۔ کوئی اور دن ہوتا تو یاد کے ساتھ ہی ان کے نام جسم میں آگ سی لگ جاتی۔ لیکن آج آگ لگنا تو درد نہ تھا۔ انہوں نے ذرا سی چٹکاری کے وجود کا بھی احساس

نہیں کیا۔ انہوں نے دل ہی دل میں تدریس کر کہا: "تو، اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے
 نانا سے جگوان جے اس طرح کامیاب کریں گے، مادہ تیار از ہر میری قسمت سے اس طرح
 اصرار بن جائیگا تو میں سمجھتا ہوں کہ تم کبھی جے جیل بھیجا پسند نہ کرتی نہ کون ہے؟
 "چھوٹے بابو، میں ہوں رادھا۔ رما بہن نے آپ کو ایک ملاقات کر جانے کے لئے
 کہلوا رہے۔"

رمانے ملاقات کرنے کے لئے کہنے کو خاموش بھی ہے۔ ہارٹیش حیران و ششدر ہو
 کر دیکھنے رہ گئے تاج نہ جانے یہ کون دیوتا میرے نسانہ اس طرح کے انوکھے انوکھے مذاق
 کر رہا ہے! خاموش رہا: "چھوٹے بابو، اگر آپ مہربانی کر کے۔"
 "وہ کہاں ہیں؟"

"مگر ہی میں پڑی ہیں۔۔۔۔۔ کل تو پھر وقت نہ ملے گا اس لئے اگر اسی وقت۔"
 "اچھا، چل چلتا ہوں، اب کمریش اٹھ کھڑے ہوئے۔"

ریش کو بلانے کے لئے نوکرانی کو بھیج کر تاج ایک طرح سے چوکنی ہو کر بستر پر پڑی تھی۔
 داسی کے کہنے کے مطابق ریش کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ایک چوکی کھینچ کر بیٹھے
 ہی زمانے جیسے صرف اپنے دل ہی کے اندر سے اپنے آپ کو کھینچ کر ریش کے پیروں
 کے پاس ڈال دیا۔ کمرے کے ایک کونے میں چراغ ٹنڈا رہا تھا۔ ریش نے اس کی مدد ریشنی
 میں تاک کی جو مہم سی صورت دیکھی اس سے اس کی جسمانی حالت کے بارے میں انہیں کہہ
 بھی معلوم نہ ہو سکا۔ ابھی راستے میں آئے انہوں نے دل ہی دل میں جو کچھ سوچا
 تھا۔ رما کے سامنے بیٹھے ہی وہ سب کہہ دہن سے غائب ہو گیا۔ تدریس و تدریس کا پیش
 رہنے کے بعد انہوں نے شیریں بچے میں پوچھا: "اب کیسی ہولانی؟"

زمانا لگے پیروں کے پاس سے کھسک کر دنا: "بچے ہٹ کر بیٹھ گئی اور بولی: "آپ رما
 ہی کہہ کر لپکا کر رہا ہے۔"

جیسے کسی نے ریش کی پشت پر چابک مار دیا! انہوں نے فوراً ہی قدرے سخت ہو کر کہا: ”اچھی بات ہے، سننا تھا کہ تم بیمار ہو۔ اس لئے پوچھ رہا تھا کہ اب کیسی ہو سہ؟“ نام نہاد غدار کو کچھ بھی ہوا اس نام سے پکارتے تھے خواہش بھی نہیں اور نہ ضرورت تھی کہ ان کے سب کچھ سمجھ لیا۔ قدرے خاموشی کے بعد اس نے آہستہ آہستہ کہا: ”اب میں اچھی ہوں۔“

پھر کہا: ”میں نے جواب کو بڑھایا، اس سے اب کو بڑی حیرت ہوئی ہوگی۔ لیکن ریش درمیان ہی میں قیزی سے اہل اُٹھے۔ یہ نہیں، حیرت تو نہیں ہوئی۔ اب تمہارے کسی کام سے میرے حیران ہونے کے دن نکل گئے۔ لیکن یہ بتاؤ مجھ بلوایا کس نے ہے؟“

اس واقعہ کے دل پر کتنی چٹا پھٹا ہوا ریش نہ جان سکے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سمجھ کر بیٹھے رہنے کے بعد ان کے کھانے پر ریش بیٹھا رہا۔ میں نے دھکا دیا کہ نئے آپ کو نکالنا دیا ہے۔ میں نے آپ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ تو میں ہی جانتی ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ جگہ اتنی طور پر معلوم تھا کہ آپ ضرور اُٹھائے اور میرے یہ دو آخری اصرار ضرور منظور کر دیے گئے۔“

اچانک انہوں نے کچھ سے اس کی ادھارت مسمی۔ یہ بات اتنی صاف تھی کہ ریش کو صاف معلوم ہو گئی۔ اور ان کی پہلی محبت اُن کی آج جبہ یقینی طور پر نہیں اس بات کا احساس ہوا کہ اتنے جلد سے کچھ نہ ہونے پر بھی وہ محبت آج تک نہیں مری۔ صرف بے جان سی ہو کر دل کے ایک کونے میں چھپی ہوئی تو انہیں بے حد حیرت ہوئی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے پوچھا: ”تم کیا جانتی ہو؟“

ان کے اخیر سے وہ انکار پھر چھکا ہوا اور کہا: ”بڑے بھیا۔ آپ کی دوسرے

جس جاں ناک کا دخل حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ میری ذاتی ہے، یعنی اس میں پہنچو تو اندھ میرا ہے اور ایک آدمی آپ لوگوں کا۔ اسے میں آپ کے ہاتھ دے دے گا چاہتی ہوں۔
 رعیش پھر گرم ہو گئے اور بڑے نرم قدموں پر چڑھ کر نے میں نے پہلے میں
 کسی کی مدد نہیں کی اسباب بھی نہیں کروں گا۔ اور اگر دان ہی کرنا چاہتی ہو تو اس کے
 لئے اور بہت سے ٹول ہیں۔ میں دان نہیں لیتا۔

پہلے کا وقت مہر تا تو ذرا فوراً کہہ دیتی کہ کہ جی خاندان کا دان لینے سے گھوشتاؤں کی
 عورت نہیں جاتی۔ لیکن آج اس کے منہ سے یہ بات نہ نکلی۔ اس نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔
 رعیش جیتا میں جانتی ہوں کہ آپ چوری کرنے میں مدد نہ دیں گے اور یہ بھی جانتی ہوں
 کہ اگر دان میں گئے تو اپنے لئے نہیں لیں گے۔ لیکن بات یہ نہیں۔ اگر کوئی قصور
 کرنا ہے تو اسے سزا ملتی ہے۔ جس نے بڑی کئی قصور کئے ہیں۔ انہیں کے جرمات کی صورت
 میں اسے کہیں نہیں لے لیتے؟

رعیش نے ہنسی دی اور کہی کہ کیا؟ اور یہ تو دوسرا امور دیکھا ہے؟
 دیکھا ہے کیا؟ میں اپنے جتنے کہ آپ کے ہاتھ سونپتی ہوں اسے اپنے ہی جیسا
 کہہ سکتی ہوں۔ تاکہ اگر وہ آپ کی طرف سے جتنے اور اسباب کچھ نکال کر لے سکے؟
 اب رعیش کے دل کی تمام سختی بھول گئی۔ دیکھنے سے لپٹے ہوئے اور پچھ کر کہا۔
 یہ اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھ سکتی گی۔ لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ جتنے
 کتنے لوگوں میں اس کے ہنگام کا خون ہے۔ ایسا زخمیادہ اس کے خیر میں سرحد سے
 تعلیم و تربیت سے ممکن ہے۔ وہ بھی ایک دن آپ ہی کی طرح سر ہل کر دکھائی دے
 سکے۔

رعیش نے ذرا اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کھڑکی کے باہر چاندنی سے
 روشن آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ ان کے دل میں ایک ادبا غم۔ ایسا

دروہر تاجدار تھا۔ جس سے وہ آج سے پہلے آشنا نہ تھے۔ بہت دیر تک خاموش رہے
کے بعد رمیش نے کہا: وہ مجھ کو ان سب باتوں میں اب مجھے نہ گھسیٹو۔ میں کئی قسم
کے ڈکھوں اور مصیبتوں کے بعد روشنی کی ایک شلخ روشن کر سکا ہوں۔ سچے خوف
ہے، انہیں وہ پھر نہ بچھ چکے۔

تم نے کہا: نہیں رمیش جیسا۔ اب خوف کی کوئی بات نہیں۔ آپ کی یہ روشنی
اب نہیں بجھے گی۔ ستائی جی لے کہا تھا کہ آپ نے بہت دُور سے آکر بہت اونچائی پر
بیٹھ کر کام کرنا چاہا تھا۔ اسی لئے اس میں اتنی رکاوٹیں پیش آئیں۔ اب ہم لوگوں نے
اپنی برائیوں کے بوجھ سے آپ کو نیچے جھکا کر شیک مقام پر پہنچا دیا ہے۔ اب آپ ہم
لوگوں کے درمیان آکر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اسی لئے آپ کو خوف محسوس ہوتا ہے۔ پہلے
ہو تاویہ شک دل میں جاگزیں ہی نہ ہوتا۔ اس وقت آپ ہمارے دیہاتی سماج سے باہر
ہئے۔ لیکن اب اسی کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ اسی لئے اب آپ کی یہ روشنی مدہم نہیں
ہوگی۔ اب تو وہ دزد بدزد روشن تر، تیز تر ہوتی جائیگی۔

اچانک تائی جی کے نام سے رمیش بے حد متاثر ہوئے اور بولے: کیوں سا۔ تم
ابھی طرح جانتی ہو کہ اب میری جلدائی ہوئی یہ شلخ روز نہیں بجھے گی؟

تم نے اس قدر اطمینان میں کہا: ہاں، میں خوب جانتی ہوں۔ یہ انہیں تائی
جی کے منہ کی بات ہے۔ جو سب کچھ جانتی ہیں۔ یہ آپ ہی کا کام ہے۔ رمیش
جتنا میرے جتنار کو اپنے ہاتھ میں لے کر اور میرے سب قصہ معاف کر کے آج
آپ مجھے امیر داد دے کر رخصت کریں۔ تاکہ میں مظلین ہو کر اپنے مالک کے پاس
جاسکوں۔

رمیش کھال بجلی سے بھرے ہوئے بادل کی طرح رہ رہ کر چمکنے لگا لیکن وہ
سر جھکائے چپ چاپ بیٹھ رہے۔ زمانے کہا: میری ایک اور بات آپ کو

مانتی پڑے گی۔ بتائیے۔ مائیں مجھے؟

”ریش نریم بچے میں بولے۔ کونسی بات؟“

”تو نے کہا۔ میری کسی بات کے متعلق بڑے بچیا سے کبھی جھگڑا نہ کرنا۔
ریش کچھ سمجھے نہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ اس کا مطلب؟“

”تم نے کہا۔ اس کا مطلب اگر کبھی سن سکو تو اس دن صرف یہی یاد کر لینا کہ میں
کس طرح چپ چا چا سب کچھ بداشت کر کے چلی گئی ہوں کسی ایک بات کا بھی
جواب نہیں دیا۔ ایک دن جب اکل ناقابل بداشت معلوم ہوا تھا تو تائی جی نے آکر
کہا تھا کہ بیٹی جھوٹ کو بار بار مل جل کر چھپڑنے رہنے سے اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ مائیں غیر
بُرو بادی سے اس جھوٹ کی عمر بڑھا دینے کے برابر اور کوئی گناہ نہیں۔ مائیں کی یہی نصیحت
یاد رکھ کر میں اپنی تمام مصیبتوں اور بد قسمتی کو کھاٹ سکی ہوں۔ اور ریش بتایا۔ تم بھی
یہ بات کبھی نہ بھولنا۔“

ریش چپ چاپ اس کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ مائے نقوی دیر بعد کہا۔
”ریش بتایا، آج تم یہ خیال کر گئے اپنے دل میں افسوس نہ کرنا کہ تم مجھے معاون نہیں
کر سکتے۔ میں خراب جانتی ہوں کہ آج جو بات دشمن معلوم ہوئی ہے جس میں کسی دن
سیدھی سادی اور آسان معلوم ہوگی۔ اسی لئے میرے دل میں آج کوئی غم نہیں کہ
اس دن تم میرے تمام تصور نہا جیتا۔ آسانی۔ سے معاون کر دو گے۔ میں کل جا رہی ہوں۔“

ریش نے متعجب ہو کر پوچھا۔ ”کل؟ کہاں جاؤ گی؟“

”تو نے کہا۔ جہاں تائی جی بچے لے جائیں گی۔ میں۔“

”ریش نے کہا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ اب وہ واپس نہیں آئیں گی۔“

”تو نے آہستہ سے کہا۔ میں بھی نہیں آؤں گی۔ میں بھی اب تہلے قدموں
سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتی ہوں۔“ یہ کہہ کر تو نے ٹھک کر پیشانی زمین پر

ٹیکہ دی بدعیش نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور کھڑے ہو کر کہا
 "اچھا جاؤ لیکن کیا میں یہ بھی نہیں جان سکوں گا کہ کیوں جا رہی ہو؟"

دعا خاموش رہی بدعیش نے پھر کہا "تم کہیں اپنی سب باتیں اس طرح جیسا کہ چلی
 جا رہی ہو۔ یہ تو تم ہی جالو۔ لیکن اب میں بھی ہم دہان سے جھلون سے ہمارا نشان لگاتا
 ہوں کہ وہ دن جلد آنے جب میں تمہیں دل کی گہرائیوں سے صحت کو سکوں۔ تمہیں
 صحت نہ مگر سکے کے باعث جو تکلیف ہو رہی ہے اسے صرف اعتراضی جھلون ہی
 جانتے ہیں۔"

رنگائی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ لیکن اس انتہائی رحم بدعیش
 میں بدعیش اسے دیکھ نہ سکے۔

تالے چپ چاپ دور سے پھر یہ نام کیا اور اس کے بعد بدعیش بددی سے
 باہر نکل آئے۔ راستے میں چلتے چلتے انہیں ایسا معلوم ہوا کہ میرا تمام مستقبل اور
 کام بکھج کر گئے کا تمام استعدائیں گویا ایک جھپٹکے ہی اسی جاندی کی طرح مرموم ہوا
 ہو گیا ہے۔

دوسرے دن صبح جب بدعیش تالی جی کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ دفتر بدعیشی گھر سے
 نکلی کر پانکلی میں بیٹھ رہی ہیں بدعیش نے دروازے کے پاس سے جا کر دروازہ
 پر سے فوٹو پھر کر کہا "تالی جی! تم ڈاکٹر کے ایسا کرن سنا سکتی ہو۔ جس کے باعث
 تم میں اتنی جلدی چھوڑ کر چلی جا رہی ہو؟"

دفتر بدعیشی نے اپنا دیا ہاں اٹھ بڑھاکر بدعیش کے سر پر رکھا اور کہا "بیٹا تصور
 کرو کہ تمہاری نجات کبھی ختم ہی نہ ہوگی۔ اس لئے اس کی خدمت نہیں ہو سکتی
 پھر کر کہا "بدعیش اگر میں اپنا مرد تھی تو دینی ہی میرے صدمہ میں لگ دیتا۔ اس
 حالت میں مجھے کبھی نجات حاصل نہ ہوگی۔ میری یہ زندگی تو جلتے ہی جلتے گزرتی

آب کہیں دوسرا جنم بھی اسی طرح چلتے چلتے نہ گزرنا پڑے۔ میں اسی خوف سے یہاں سے جاگ رہی ہوں۔

زمین اس طرح بے حرکت کھڑے ہو گئے۔ گویا جہان میں پہلی گڑبڑ ہو رہی تھی۔ جی کی اس ایک ہی بات سے زمین کو معلوم ہو گیا کہ ان کھل میں مانا کی آگ کس طرح جل رہی ہے کہ وہ پر غارتش ہو رہی ہے۔ پھر اُنہوں نے پڑھا: تالی میں انا کیوں جا رہی ہے؟

و شوشی نے ایک گہری سرفراہ کو روک کر اُنہوں کو صاف کر کے کہا: بیٹا، دنیا میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ماسی لئے میں اسے جگہوں کے چروں میں لئے جا رہی ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ وہاں جانے پر بھی وہ بچے کی یا نہیں۔ لیکن اگر کسی طرح زندہ رہی تو میں اسے زندگی بھر اسی بات پر غور کرنے کو کہوں گی کہ جگہوں نے اسے متاثر کیا، اتنی خیال اور اتنا دانی دے کر کیوں اس دنیا میں بھی آئے اور پھر کیوں کسی قصور یا جرم کے بغیر اس طرح اس کے سر پر مصائب کا بوجھ ڈال دیا ہے؟ دنیا کے باہر سے کیا دیا۔ پھر زمین اس دنیا میں اس سے بڑھ کر مصیبت زدہ شاید اور کوئی نہ ہو۔

اتنا کہتے کہتے تالی میں کاکلا بچا ہوا انہیں اتنی زیادہ پھینکی ظاہر کر کے کہ جگہ کسی نے نہ دیکھا تھا۔ سرخیش متعجب و حیرت منورہ گئے۔ شوشی نے کچھ دیر بعد کہا: شیشی تمہارے لئے میرا ہی جسم دے گا کہ تم بھی اس کے غلطہ نہ سمجھو۔ چلتے وقت میں کسی کی شکایت نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن تم بھی بھول کر بھی میری اس بات پر شک کا خیال نہ کرنا اس سے بڑھ کر تمہاری خیر خواہ و خیر زمیں بھر کوئی نہیں۔

زمین نے کہا: تالی جی۔

تالی جی نے جلدی سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا: زمین اس میں لیکن لیکن کچھ بھی نہیں۔ تم نے جو کچھ سنا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ سب غلط ہے۔ لیکن اب اس اہمیت و اس پیمانہ کو ختم ہو جانا چاہیے۔ اس کا آخری

اگر وہ یہی ہے کہ تم تمام بے انصافیوں اور مہر قسم کے مظالم اور رکاوٹوں کو مٹانے
 ہوئے اپنے کام کو اسی زور و اثر سے جاسی رکھنا۔ اسی لئے اس نے اپنا نہ جلد نہ
 کر سب کچھ برداشت کیا ہے۔ ہمیشہ اس کی جان پیا جی ہے۔ پھر بھی اس نے منہ
 سے ایک بات بھی نہیں نکالی۔

میں اسی وقت ہمیشہ کو کل رات کی سدا کے منہ سے نکلی ہوئی ایک دو باتیں
 یاد آئیں جس سے گریا طوفان گریہ ان کے ہونٹوں تک پہنچا۔ انہوں نے جلدی سے
 سر جھکا کر اور جسم کی تمام طاقت صرف کر کے کہا: "تائی جی اس سے کہہ دینا
 کہ ایسا ہی ہو گا۔"

اس کے بعد ہمیشہ نے ماتہ بڑھا کر کسی طرح تائی کے قدموں کی خاک پکڑ
 چینی پر نکالی اور تیزی سے باہر نکل گئے۔



۸۹۱۵۷۴ چ - ۷

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

[illegible]

